بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (ا

وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتا۔ وہ جو کچھ فرماتا ہے، وحی سے فرماتا

(جلد اوّل)

تالیف

- ڈاکٹر عبدالحمید سلیمان

معاونین

- مفتی محمد صفدر علی
- علامہ محمد طاہر

دارالعلم

۱۴۱ شاہ جمال کالونی، لاہور

۰۳۳۳-۴۵۸۷۸۷۳ - ۳۷۵۷۸۷۸۰


بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یوں فرماتا ہے کہ

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (النجم ۵۳)

وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتا۔ وہ جو کچھ فرماتا ہے، وحی سے فرماتا ہے

تلخیص البخاری

(جلد اوّل)

تالیف

- ڈاکٹر عبدالحمید سلیمان

معاونین

- مفتی محمد صفدر علی
- علامہ محمد طاہر

ملنے کا پتہ

دار العلم

۱۴۱ شاہ جمال کالونی، لاہور

۰۳۳۳-۴۵۸۷۸۷۳ - ۳۷۵۷۸۷۸۰

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

بارِاوّل ۱۰۰۰

تاریخ طباعت دسمبر۲۰۱۰ء

ناشر ..... دارالعلم
۱۴۱شاہ جمال کالونی، لاہور

ہدیہ ۳۵۰روپے

مطبع ..... ایڈمن سٹوڈیو، ڈیزائنز اینڈ پرنٹر
۱۰-بی، شمع پلازہ، ۲۷-فیروز پور روڈ، لاہور

کمپوزنگ وڈیزائننگ.....حافظ محمد ناصر رشید

ملنے کا پتہ

دار العلم
۱۴۱شاہ جمال کالونی، لاہور
۰۳۳۳-۴۵۸۷۸۷۳ - ۳۷۵۷۸۷۸۰

فہرست

نمبر شمار		مضمون حدیث شریف	صفحہ نمبر
۱	باب ۱	خلوصِ نیت	۱۵
۲		موجودہ زمانے کا ایک بہت بڑا فتنہ،	۱۸
۳		زمانہ حال میں ہجرت فی سبیل اللہ	۲۲
۴		معرکہ حق و باطل	۲۶
۵		قرآنی آیات فی اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۳۷
۶		احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۳۸
۱	باب ۲	اِسلام کی بنیاد	۳۹
۲		بہترین اِسلام	۳۴
۳		اعلیٰ اِسلام	۵۰
۴		مؤمن کی صفت	۵۶
۵		حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۶۱
۶		کلمۃ اللہ کا غلبہ	۷۲
۷		افضل ترین اعمال	۷۸
۸		مساوات	۸۰
۹		شرک ظلم عظیم	۸۹
۱۰		منافق کی علامات	۹۵
۱۱		لیلۃُ القدر .....بخشش کی رات	۹۹
۱۲		جہاد فی سبیل اللہ	۱۰۵
۱۳		نیکی کا اجر	۱۱۱

۱۴		ایمان بالتوحید کی عظمت	۱۱۵
۱۵		جنازہ میں شمولیت	۱۱۷
۱۶		آدابِ معاشرت	۱۲۰
۱۷		مُشتَبِہات سے بچنا	۱۲۵
۱۸		اہل وعیال پر خرچ کرنا	۱۲۹
۱۹		پُرخلوص رَویّہ	۱۳۱

تعارف

ڈاکٹر عبدالحمید سلیمان صاحب:

میڈیکل شعبہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایم بی بی ایس کرنے کے بعد سرکاری ہسپتال میں ملازمت کرنے کا موقع ملا۔ سات سال اندرون ملک ملازمت کرنے کے بعد محکمہ صحت حکومت لیبیا کے پاس ملازمت اختیار کی۔ چار سال کے بعد وہاں سے برطانیہ روانہ ہو گئے۔ لیبیا کے قیام کے دوران عرب کلچر کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا جس سے قرآن حکیم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد ملی۔

برطانیہ میں طویل عرصہ قیام کیا۔ اسی دوران ویانا یونیورسٹی میں میڈیسن کی اعلیٰ تعلیم کیلئے ایک سال رہنے کا موقع ملا اور مشرقی یورپ کے کلچر کا بغور مطالعہ کیا۔ برطانیہ میں ملازمت کے ساتھ ساتھ میڈیسن کی اعلیٰ تعلیم کے حصول کیلئے کوشش جاری رکھی اور ایم آر سی پی کی ڈگری حاصل کی۔ پھر رائل کالج نے اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت سے ایف آر سی پی کی اعزازی ڈگری سے بھی نوازا۔ ۱۹۹۱ء میں وطن واپس آ گئے اور یو سی ایچ لاہور میں کنسلٹنٹ فزیشن کے طور پر دس سال کام کیا۔ اب بھی جزوی طور پر ایک پرائیویٹ ہسپتال میں کنسلٹنٹ فزیشن کے طور پر کام کر رہے ہیں۔

۱۹۸۶ء میں چین جانے کا موقع ملا۔ وہاں اس اُبھرتی ہوئی سپر پاور کی طرزِ

زندگی کو دیکھنے کا موقع ملا۔ انہوں نے اس وقت خاص طور پر دو چیزیں نوٹ کیں۔ ایک یہ کہ انکا ڈسپلن انہیں ایسے نظر آیا جیسے کسی ''اِسلامی ملک'' کا ہونا چاہیے۔ دوسری بات یہ کہ انہوں نے انکے دِل میں پاکستان کیلئے انتہائی پُرخلوص جذبات کا مشاہدہ کیا۔ انہیں یقین ہے کہ ہمارا یہ عظیم دوست دُنیا کی سیاست میں عنقریب واحد سپر پاور بن کر اُبھرے گا۔

ڈاکٹر صاحب نے اس طویل پروفیشنل سفر میں قرآن حکیم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مطالعہ بھی ساتھ ساتھ جاری رکھا۔ قرآن حکیم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سمجھنے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک منفرد انداز سے نوازا ہے۔

لیبیا اور یورپ کے قیام نے قرآن حکیم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سمجھنے میں ان پر بہت اثر چھوڑا ہے۔ انکی زیادہ توجہ اس بات پر ہوتی ہے کہ قرآن حکیم کی فلاں آیت یا فلاں حدیث شریف ہمیں روزمرہ کی زندگی میں کیا رہنمائی کرتی ہے اور ہم کہاں تک اس پر عمل کر رہے ہیں۔ اگر ہم اس پر عمل نہیں کر رہے تو کیوں نہیں کر رہے اور عمل نہ کرنے کے نتائج کیا نکل رہے ہیں۔ قرآن حکیم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس پہلو سے دیکھنے کا یہ انداز انہوں نے اپنی کتاب میں اپنایا ہے۔

مفتی محمد صفدر علی صاحب:

مفتی صاحب دینی حلقوں میں جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ درسِ نظامی کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد بیرونِ ملک تعلیم و تدریس سے منسلک رہے ہیں۔ کینیا میں کئی سال قیام کیا اور وہاں کی مسلم آبادی کو اپنے علم سے سیراب کیا۔ انٹرنیشنل دینی کانفرنسز میں شمولیت کا اکثر موقع ملتا رہتا ہے۔ عربی زبان میں دسترس رکھتے ہیں۔ آج کل ایک پرائیویٹ تعلیمی ادارہ کے چیف ایگزیکٹو ہیں۔

بہترین دینی واعظ ہیں۔ اکثر جمعہ کے موقع پر لوگ انکے وعظ سے مستفید

ہوتے ہیں۔عوام الناس اپنے دینی مسائل کے حل کیلئے انکے پاس ہمیشہ مجمع لگائے رکھتے ہیں۔فقہی مسائل میں خاص رجحان اور تجربہ رکھتے ہیں۔

اس کتاب کی تالیف میں انکے مشورے انتہائی مفید رہے۔اس کتاب کے مسودے کی بڑی محنت سے نظر ثانی کی ہے اور تنقیدی نگاہوں سے اس کتاب کو مفید تر بنایا ہے۔

علامہ محمد طاہر صاحب:

محمد طاہر صاحب اعلیٰ تعلیمی اسناد سے مزین ہیں۔ایک دینی خاندان سے تعلق رَکھتے ہیں۔ایم اے (انگلش) اِسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے کیا۔درسِ نظامی منہاج القرآن یونیورسٹی سے کیا۔شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب کی صحبت سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔ ایم بی اے کی ڈگری مشہورِ زمانہ یونیورسٹی لَمز (LUMS) لاہور سے حاصل کی۔مقابلے کا امتحان سی ایس ایس (CSS) پاس کیا اور وفاقی حکومت میں ملازمت شروع کی۔اس وقت اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں۔

قرآن حکیم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ خاص طور پر موجودہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق قرآن حکیم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریح میں خاص دلچسپی لیتے ہیں۔اس کتاب کی تیاری میں انکا تعاون ہر پہلو سے انتہائی مفید رہا۔انکے تعاون کے بغیر اس کتاب کا منظر عام پر آنا تقریباً ناممکن تھا۔

ناشر

○.....○.....○

یہ کتاب کیوں لکھی گئی؟

اکابر علماء کرام کے ہاتھوں سے لکھی ہوئی صحیح بخاری شریف کی تشریحات ہر ایک کو آسانی سے دستیاب ہیں۔ ان کی موجودگی میں کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہیں تھی لیکن ان کتابوں کے مطالعہ سے میں نے یہ محسوس کیا کہ ایک عام آدمی حدیث شریف کے عملی پہلو کو سمجھنے میں دِقت محسوس کرتا ہے۔ حدیث شریف کے پیغام کو سمجھنے کے بجائے اسکی نگاہ ظاہری الفاظ پر ہی رہتی ہے۔ اس طرح اسکی روزمرہ کی زندگی میں اِسلامی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کیلئے کوئی جذبہ پیدا نہیں ہوتا۔

میں نے اس کتاب میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ حدیث شریف کے مفہوم کو سادہ اُردو زبان میں بیان کر کے اس پر تفصیلی بحث اس طرز پر کی جائے کہ حدیث شریف کا اصلی مدّعا سمجھ میں آ جائے اور پھر اسکی روشنی میں اس پر عمل کرنے کی کوشش کیلئے جذبہ پیدا کیا جائے۔

انسان خطا کا پُتلا ہے۔ تمام انسان خطا کار ہیں، بہترین خطا کار وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتا رہتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے، ''**اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝**'' (الاحزاب ۳۳، آیت ۷۲) ترجمہ ''ہم نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر امانت (خلافت) پیش کی۔ انہوں نے اسکے اُٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسکو اُٹھالیا۔ بیشک وہ ظالم اور جاہل تھا''۔

انسان کی تخلیق کرنے والی ذات یعنی اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ انسان میں

جہالت پائی جاتی ہے یعنی وہ خطا ضرور کرتا ہے، کوئی کم کوئی زیادہ تو ہمیں اس بات پر سیخ پا نہیں ہونا چاہیے کہ ہم خطا کار ہیں۔ اگر ہم اپنی خطاؤں کو پہچان کر رَفتہ رَفتہ ایک ایک کر کے دُور کرتے جائیں تو ہم بہتر سے بہتر انسان بنتے چلے جائیں گے۔ قوم انسانوں کے مجموعہ سے بنتی ہے۔ بہترین انسان بہترین قوم کو جنم دیں گے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی قوم اسی طرح بنی تھی۔ ایک حیرت انگیز قلیل مدت میں وہ انتہائی نچلی سطح سے اُٹھ کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچ گئے تھے۔ وہ اس درجہ کی بہترین قوم بنے کہ اللہ تعالیٰ نے انکو قرآن حکیم میں ''بہترین اُمت'' کا خطاب دیا۔ ''**كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ**'' (آلِ عمران۳، آیت۱۱۰) ترجمہ ''تم ایک بہترین اُمت ہو جو کہ تمام انسانوں کی رَہنمائی کیلئے نکالی گئی ہو۔ تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رَکھتے ہو''۔ یہ خطاب حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کسی دوسری قوم کیلئے استعمال نہیں ہوا۔ یہ آخری اُمت ہے لہٰذا یہ خطاب کسی اور اُمت کیلئے بھی نہیں ہوسکتا۔ انسانی تاریخ میں گزری ہوئی اُمتوں میں سے بھی یہ خطاب کسی کو نہیں دیا گیا۔

ہم بھی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے واسطہ سے اس اُمت کا حصہ ہیں اور ہمارے لیے بھی یہ خطاب ہے لیکن ذرا سوچیے، ہم عملی طور پر کیا ثابت کر رہے ہیں؟ کیا اس زمانہ میں ہم اس خطاب کے لائق ہیں۔ اگر ہم بحیثیت اُمت کے ایک وقت میں سپر پاور تھے تو اب نہیں ہیں۔ ہمیں الفاظ کے ظاہری معنوں پر ہی نہیں رُک جانا چاہیے۔ اگر ہم اَب سپر پاور نہیں ہیں تو بہترین اُمت کا خطاب ہم پر کیسے صادق آسکتا ہے؟ اسکو تو عمل سے ثابت کر کے دکھانا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم آسمان کی بلندیوں سے گر کر تحت الثریٰ پہنچ چکے ہیں۔

ایسا کیوں ہوا؟

ایسا اسلئے ہوا کہ ہم نے قرآن حکیم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عملی پیغام کو مدت دراز سے سمجھنا چھوڑ دیا ہے۔ ہم ان کتابوں کی علمی بحث میں اتنی دُور نکل گئے ہیں کہ انکے عملی پہلو ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم آہستہ آہستہ عمل چھوڑتے چلے گئے اور اب ہمیں قرآن حکیم اور حدیث شریف کو صرف مدرسوں اور مسجدوں میں پڑھنے کی حد تک محدود رکھنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ اب ہماری حالت یہ ہوگئی ہے کہ گو ظاہراً ہم نے اِسلام کا لبادہ پہنا ہوا ہے مگر ہمارا پورا نظامِ زندگی اصلاً غیر اِسلامی بن چکا ہے۔

اس صورتحال سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے۔

وہ یہ کہ سب سے پہلے ہم اپنی خطاؤں کو تسلیم کرنا سیکھیں۔ پھر ان خطاؤں کو رَفتہ رَفتہ عمل کے ذریعے کم کرنے کی کوشش کرتے جائیں جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کیا کرتے تھے۔

اپنی خطاؤں کو نہ ماننا اور ہٹ دھرمی سے کام لے کر اپنی غلط باتوں پر اَڑے رہنا صحیح طریقہ نہیں ہے۔ بدقسمتی سے یہ بات ہم میں بہت زیادہ حد تک موجود ہے۔ اسی وجہ سے ہم پسماندہ سے پسماندہ تر ہوتے جا رہے ہیں۔

جب تک ہم اپنی غلطیوں کو مان کر انکو دُور کرنے کی حکمت عملی اختیار نہیں کریں گے، ہم پسماندہ قوم ہی رہیں گے۔ اس کتاب میں میری یہی کوشش ہے کہ ہم اپنی غلطیوں کی نشاندہی کریں، انکو تسلیم کریں اور انکو دُور کرنے کیلئے درست حکمت عملی اپنا کر اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہوئے اسکے راستے پر اَنتھک کوشش کریں تا کہ ہم پھر ''بہترین اُمت'' کے خطاب سے سرفراز ہو جائیں۔

ڈاکٹر عبدالحمید سلیمان

○.....○.....○

عرضِ مؤلف

ڈاکٹر عبدالحمید سلیمان

اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ ہر انسان اپنی شخصیت کی ایسی نشوونما کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا مستحق بن جائے۔ شخصیت کی اس نشوونما میں جو کوشش وہ کرتا ہے اور جو مشقتیں وہ اُٹھاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اسکو اَجر عطا فرماتا ہے۔ یہ اَجر اس دُنیا میں بہترین زندگی کی صورت میں ملتا ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رَضا حاصل ہوتی ہے اور وہ جنت کا وارث بن جاتا ہے۔

شخصیت کی یہ نشوونما آسانی سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس کیلئے سخت محنت کرنی پڑتی ہے۔ یہ قانونِ فطرت ہے۔ ایک پودے کی پرورش کیلئے رات دِن اسکی دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے۔ پانی سے سیراب کرنا، گرمی سردی سے بچانا، جانوروں اور انسانوں سے محفوظ رکھنا، کانٹ چھانٹ کرتے رہنا، اسکے تنے اور شاخوں کے رُخ کو سیدھا رکھنے کی کوشش کرتے رہنا انتہائی ضروری ہے۔ اس ساری جانفشانی کا اَجر پھر کچھ سالوں کے بعد اس کے پھل کی صورت میں ملتا ہے۔ پھل کی صحت اور لذت درخت پر کی ہوئی محنت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ زیادہ محنت سے زیادہ صحت منداور لذیذ پھل حاصل ہوگا۔ محنت میں کوتاہی اور خامیوں کی وجہ سے یہ پودا اور اسکی شاخیں ٹیڑھے ہوسکتے ہیں اور اسکا پھل بھی صحت منداور لذیذ نہیں ہوگا۔ ایسا پھل مارکیٹ میں بہت ہی کم قیمت لاتا ہے۔ اسکے برعکس جس پودے کی پرورش محنت سے کی گئی ہو، اسکا پھل مارکیٹ میں زیادہ قیمت لائے گا۔

اگر آپ نے پودے کی بالکل ہی پرواہ نہیں کی تو وہ سوکھ جائے گا اور اس پر پھل بھی نہیں آئے گا۔ اگر کچھ آیا بھی تو انتہائی ناقص ہوگا اور مارکیٹ میں کوئی لینے کو تیار نہیں ہوگا۔

بالکل ایسی ہی مثال انسان کی ہے۔ انسان جب اپنے شجرۂ ایمان کی محنت سے

پرورش کرتا ہے تو اسکا نتیجہ صحت منداور پسندیدہ اعمال کی صورت میں نکلتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اسکی قیمت بڑھ چڑھ کر عطا فرماتا ہے، اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اگر انسان اپنے نفس پر محنت نہیں کرتا تو اسکی پرورش اس سوکھے ہوئے درخت کی طرح ہوتی ہے جس پر پھل نہیں آتا۔ اگر کچھ آتا ہے تو خریدار یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی، نہ اس دُنیا میں اور نہ ہی آخرت میں۔ ایسے شخص کی مثال اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں یوں فرماتا ہے، ''جن لوگوں نے اپنے پروردگار سے کفر کیا، ان کے اعمال کی مثال راکھ کی سی ہے'' (ابراہیم ۱۴، آیت ۱۸)۔ ایسا انسان دونوں جہانوں میں نقصان اُٹھاتا ہے۔

قوم افراد کے مجموعہ سے بنتی ہے۔ اگر ہر شخص اپنے شجرۂ ایمان کو محنت سے پالے گا تو قوم بھی صحت مند ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعلیٰ قیمت کی مستحق ہو جائے گی۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہو جیسا کہ آج کل ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسی قوم کا کوئی وزن نہیں ہوتا۔

اگر حدیثوں کے اس مجموعہ کو اپنی روزمرہ کی زندگی کا معمول بنالیا جائے تو ایک صحت مند شخصیت پروان چڑھے گی اور ایک صحت مند قوم وجود میں آئے گی جیسے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھے۔ پھر آپکا یہ حق کہ ''.....اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ۝'' (الانبیاء ۲۱، آیت ۱۰۵) ترجمہ ''.....کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے'' کوئی آپ سے چھین نہیں سکے گا۔

○.....○.....○

باب ۱

خلوصِ نیّت

حدیث : عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّۃِ وَلِکُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰی فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرُسُوْلِہٖ فَھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرُسُوْلِہٖ وَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ لِدُنْیَا یُصِیْبُھَا اَوِ امْرَأَۃٍ یَتَزَوَّجُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْہِ۔ (تفہیم البخاری، جلد اوّل، حدیث ۱ ۵)

ترجمہ : حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اعمال کا دارومدار نیّت پر ہے۔ ہر شخص کو وہی حاصل ہوتا ہے جسکی وہ نیّت کرتا ہے لہٰذا جسکی ہجرت اللہ جل شانہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیلئے ہے تو اسکی ہجرت اللہ جل شانہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہی طرف ہے۔ جسکی ہجرت دُنیا کیلئے ہے جسے وہ حاصل کرنا چاہتا ہے یا اسکی ہجرت عورت کیلئے ہے جس سے وہ شادی کرنا چاہتا ہے تو اسکی ہجرت اسی چیز کیلئے شمار کی جائیگی جس کیلئے اس نے ہجرت کی۔

نوٹ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اور آپکے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو اُن سب کی نیّت اللہ تعالیٰ کی خاطر نظامِ الٰہی کو دُنیا میں قائم کرنے کی بنیاد رَکھنے کی تھی لیکن ایک شخص کی نیّت صرف ایک عورت سے شادی کرنے کی تھی لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ عمل گو ظاہری طور پر ایک ہی ہے لیکن اس کا انجام اسکی نیّت کی وجہ سے مختلف ہے۔

روزمرہ کی زندگی میں ہم جو بھی عمل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسکا ایک

وزن ہوتا ہے جو ہماری نیّت پر منحصر ہوتا ہے۔ جو عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی نیّت کے ساتھ کیا جائے گا، اسکا وزن ہوگا اور اسکا اَجر اللہ تعالیٰ کے ہاں موجود پاؤ گے۔ جو عمل گو کہ ظاہری طور پر کتنی ہی بڑی نیکی کا عمل ہو لیکن نیّت غیر اللہ کی ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بے وزن ہوگا اور اسکا کوئی اَجر نہیں ہوگا۔

مزید وضاحت کیلئے مندرجہ ذیل حدیثوں پر بھی غور کر لینا چاہیے۔

۱) حضرت یعلی بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو جہاد کیلئے بلایا۔ حضرت یعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بہت ضعیف تھا تو میں نے ایک مزدور تلاش کیا۔ بالآخر مجھ کو ایک مزدور مل گیا۔ اُس نے مالِ غنیمت کے بجائے اُجرت پر کام کرنا پسند کیا اور تین دینار مزدوری مقرر ہوئی۔ جب مالِ غنیمت آیا تو اُسکو میں نے اُسکی مزدوری تین دینار دے دیئے پھر میں خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا اور یہ واقعہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''دُنیا اور آخرت میں اِس شخص کیلئے جہاد کا بدلہ صرف وہی تین دینار ہیں کیونکہ اُس نے غنیمت کا حصہ لینے کے بجائے تین دینار پر کام کرنا پسند کیا یعنی اُس نے گو جہاد میں حصہ لیا لیکن اُسکو اُسکی نیّت کی وجہ سے جہاد کا ثواب نہیں ملا۔ (سنن ابی داؤد)

۲) حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص بہادری کے لیے جنگ کرتا ہے، دوسرا ملک یا قبیلہ کی غیرت کی بنا پر جنگ کرتا ہے، تیسرا دکھاوے کے لیے جنگ کرتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ''مجاہد فی سبیل اللہ وہی ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے جہاد کرتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

۳) حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ''جو سوتے وقت رات کے اُٹھنے کا قصد کرے (تہجد یا تعلیم کیلئے) پھر صبح تک اسکی آنکھ نہ کھلے تو جو اُس نے نیّت کی، وہ اُسکے لیے لکھی جاتی ہے اور اُسکا سونا خدا کی جانب سے ایک صدقہ ہو جاتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

یہ ضروری ہے کہ ہم ہر وقت اپنی نیّت کو درست کرتے رہیں۔ جو عمل صرف اللہ جل شانہ کی خاطر ہوگا، وہی قابل اَجر تصور کیا جائے گا۔ جو عمل خواہ کتنا ہی اعلیٰ درجے کا ہو،

غیر اللہ کی خاطر ہوگا، وہ قابل قبول نہیں ہوگا۔ آج کل سب سے بڑا غیر اللہ انسان کا اپنا نفس ہے۔ اپنے نفس پر قابو پا کر ہمیں اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔

نیّت کا درست کرنا ازبس ضروری ہے۔ داخلی اور بیرونی ترغیبات سے بھٹکتی نیّت کو سیدھا کیا جا سکتا ہے۔ ایک شیطان ہمیشہ انسان کے ساتھ رہتا ہے جو نیّت کو جبکہ وہ فطرتاً صحیح ہوتی ہے، خراب کرنے کے درپے ہوتا ہے ''اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْن'' ○''، (یوسف ۱۲، آیت ۵) ترجمہ ''بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے'' اور ایک فرشتہ ہمیشہ آپ کی مدد کے لیے تیار رہتا ہے جب آپ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔

اگر نیّت کو درست نہ کرتے رہیں تو بڑے بڑے نیکی کے کام جن پر انسان ساری عمر خون پسینہ ایک کر دیتا ہے، خاک میں مل جاتے ہیں۔ مشکوٰۃ شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خبر دی کہ قیامت کے دِن تین اشخاص اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہوں گے۔ ایک مجاہد، ایک عالم دین اور ایک سخی۔

مجاہد کی نیّت لوگوں کو بہادری کے جوہر دکھانا تھا۔ عالم کی نیّت لوگوں پر اپنے علم کا رُعب بٹھانا تھا۔ سخی کی نیّت اپنی سخاوت کی شہرت کرنی تھی تو اللہ تعالیٰ ان تینوں کو جہنم کی آگ میں جھونک دے گا۔ (مشکوٰۃ شریف، جلد اوّل، حدیث ۱۹۴)

اِسکے برعکس ایک معمولی کام صحیح نیّت ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آتا ہے کہ وہ انسان کی نجات کا باعث بن جاتا ہے۔

مؤطّا امام محمد میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص جا رہا تھا۔ اس نے راستے میں کانٹا دیکھا۔ اس نے اس کانٹے کو راستے سے ہٹا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسکی عزت افزائی فرمائی اور اسے بخش دیا۔ (مؤطّا امام محمد، حدیث ۳۰۰)

○.....○.....○

موجودہ زمانے کا ایک بہت بڑا فتنہ.....نیّت کا فتور

خلوصِ نیّت کے تین رُخ ہیں: ۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلوص، ۲) بندوں کے ساتھ خلوص، ۳) حکومت کے ساتھ خلوص۔ ان میں سے کسی ایک کے ساتھ غیر مخلصانہ رویہ رکھنا اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ناپسند ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلوص یہ ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ بندوں کے ساتھ مخلص رویہ یہ ہے کہ دوسروں کیلئے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ حکومت کے ساتھ خلوص یہ ہے کہ اسکی پوری اطاعت کی جائے سوائے معصیت کے کاموں کے۔

حکومت یعنی امیر کا خلوص بھی سہ رُخی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی، بندوں کے حقوق کی ادائیگی اور بین الاقوامی تعلقات میں پُرخلوص رہنا۔

حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کی کہ میں ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہ رہوں گا۔ (نسائی، حدیث ۴۱۶۳)

حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''دین خیر خواہی کا نام ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا، 'یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! کس کے ساتھ خیر خواہی؟' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، 'اللہ جل شانہ کے ساتھ، اس کی کتاب کے ساتھ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ، امیر کے ساتھ اور عام مسلمانوں کے ساتھ''۔ (نسائی، حدیث ۴۲۰۴)

یوں لگتا ہے کہ آج کل خلوص کا دَور ختم ہو چکا ہے۔نفسانفسی غالب آ چکی ہے۔ گھروں میں وراثت اور مال کے سلسلہ میں بدنیّتی عام دیکھنے میں آتی ہے۔ دفتروں میں بدنیّتی رشوت کے لالچ کی صورت میں ہر جگہ موجود ہے۔ سیاست میں بدنیّتی انتہا کو ہے۔ ووٹ لینے کیلئے بڑے بڑے وعدے عوام کے ساتھ کیے جاتے ہیں جن میں ذرہ بھر بھی خلوص نہیں ہوتا۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ پر یہ بیعت کی کہ ''ہم حاکم کے ساتھ جنگ نہیں کریں گے اور اَمارت کے مسئلہ پر جھگڑا نہیں کریں گے اور حاکم وقت سے اختلاف نہیں کریں گے اور جہاں تک بھی ہو سکا، حق بات کریں گے''۔ (سنن نسائی، کتاب البیعۃ، احادیث ۴۱۵۹-۴۱۵۸-۴۱۵۶)

باوجود سیاسی لیڈروں کے غیر مخلصانہ رویہ کے عوام بڑی حد تک ان سے مخلص رہتے ہیں اور انکی اطاعت کرتے ہیں لیکن سیاست میں بدنیّتی کی وجہ سے حکومتی ادارے عوام کے ساتھ غیر مخلصانہ رویہ رَکھتے ہیں۔

بدنیّتی منافقت ہے اور منافق کی جگہ آخرت میں جہنم اور اس دُنیا میں ذلت ہے۔

اگر ہمارے سیاسی لیڈر صحیح معنوں میں مخلص ہو جائیں تو ہمارے مسئلے آہستہ آہستہ حل ہوتے چلے جائیں گے کیونکہ خلوص نیّت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے اور منافقت کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنی مدد کو روک لیتا ہے۔

ہمارے حکومتی محکموں میں خلوص سے کام بہت ہی کم ہوتا ہے جس سے عوام کے حقوق کی ادائیگی میں حد درجہ کی کوتاہیاں سرزد ہوتی ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ اس رویے کی وجہ سے ہماری زراعت، صنعت اور تجارت پر بہت بُرا اَثر پڑتا ہے۔ معاشرتی نظام میں بدانتظامی، افراتفری اور غیر اعتمادی کی کیفیت پیدا ہو چکی ہے۔ نت نئے مسائل اُٹھ رہے ہیں جن کے حل کرنے میں بھی ہمارے بڑے مخلص

نہیں ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہم بد سے بدتر حالات کی طرف جا رہے ہیں۔ ہماری معاشیات تباہ ہوچکی ہے۔ دہشت گردی ایک نئی مصیبت اُبھر چکی ہے اور ہم ایک ایسی قوم بنتے جارہے ہیں جس کا سچا خیر خواہ کوئی نظر نہیں آتا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''تم میں ہر ایک چرواہے کی مانند ہے اور ہر شخص سے اسکی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا چنانچہ لوگوں کا اَمیر اپنی رعایا کا چرواہا ہے۔ اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا۔ مرد اپنے گھر کا چرواہا ہے، اس سے اسکے گھر کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر میں نگہبان ہے، اس سے بھی سوال کیا جائے گا اور غلام (ملازم) اپنے آقا کے مال کا چرواہا ہے، اس سے اس مال کے بارے میں سوال ہوگا۔ بے شک تم میں سے ہر ایک چرواہا ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا'' (ترمذی، حدیث ۱۵۵۴)۔ وہاں سوال یہی ہوگا کہ تم نے اپنی رعایا کے ساتھ کس درجہ خلوص سے برتاؤ کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک طویل حدیث شریف میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا، ''لوگوں سے اسی طرح پیش آؤ جیسے تم خود چاہتے ہو کہ لوگ تم سے پیش آئیں (یعنی خلوص کے ساتھ) پھر جس شخص نے کسی امام کی بیعت کی اور اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا اور اس سے دِل سے عہد کرلیا تو اسے چاہیے کہ جس قدر ممکن ہو، اسکی اطاعت کرے نیز اگر کوئی شخص اس امام سے لڑنے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا ہے تو اس سے جنگ کرو'' (نسائی، حدیث ۴۱۹۸)

آئین کا توڑنا یا کچھ دیر کیلئے اسے پس پشت ڈال دینا بہت ناپسندیدہ ہے۔ آئین اللہ تعالیٰ کے ساتھ باندھا ہوا قوم کا ایک عہد ہے جس میں نمائندوں کے ذریعے پوری قوم شامل ہوتی ہے۔ اس طرح ہم اپنی ہی کی ہوئی بیعت سے منحرف ہو جاتے ہیں (حلف بیعت ہے اور ووٹ بھی بیعت ہے) جو بھی آئین کو توڑتا ہے، وہ

بیعت کوتوڑتا ہے۔اس کے منفی اَثرات جوقوم پر ہوئے ہیں، وہ آج آپ کے سامنے ہیں۔ ہماری کون سی سمت درست ہے۔اگر ہم اللہ تعالیٰ کے عہد سے پُرخلوص رہتے تو اللہ تعالیٰ اپنی رَحمت سے ہمیں ان مصیبتوں سے نجات دیتا جن میں ہم روز بروز پھنستے جارہے ہیں۔

میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے سیاسی اور غیر سیاسی لیڈروں کوخلوص سے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ لیے ہوئے اپنے حلف سے وفادار رہنے کی ہمت عطا فرمائے۔

○.....○.....○

زمانہءحال میں ہجرت فی سبیل اللہ

یہ انسانی تاریخ کی سب سے بڑی ہجرت ہے جو کہ قیامِ پاکستان کے موقع پر ۱۹۴۷ء میں عمل میں آئی۔ اس سے پہلے بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایسی ہی ہجرت کر چکے ہیں لیکن وہ تعداد میں نسبتاً بہت ہی قلیل تھے۔

۱۹۴۷ء میں مسلمانانِ ہند نے غیر مسلم کی غلامی سے آزادی حاصل کی اور کروڑوں انسانوں نے ''پاکستان'' کی طرف نقل مکانی کی جس میں لاکھوں نے شہادت کا رُتبہ حاصل کیا۔

مدینہ منورہ کی ہجرت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت بنی اسرائیل کی ہجرت کا مقصد یہ تھا کہ ایک ایسی آزادانہ فضا حاصل ہو جس میں اللہ تعالیٰ کا نظام رائج کیا جا سکے۔ پاکستان کا مقصد بھی یہی تھا کہ آئندہ قائم ہونے والی ہندوستان میں مشرکانہ حکومت کے زیرِ اثر رہنے کے بجائے ایک آزاد سرزمین ہو جس میں اللہ تعالیٰ اور اُسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نظام قائم ہو۔

مدینہ منورہ کی ہجرت اور بنی اسرائیل کی ہجرت کے جو مقاصد تھے، وہ تو اُن قوموں نے حاصل کر لیے اور یہاں تک حاصل کیے کہ اپنے اپنے وقت میں ہر دو نے سپر پاور ہونے کا مقام حاصل کیا۔

ہم بدقسمتی سے وہ مقاصد حاصل نہیں کر سکے جس کیلئے لاکھوں جانوں کی قربانی دی گئی تھی۔ اسکی بڑی وجہ یہ تھی کہ میرِ کارواں پاکستان کے قیام کے کچھ عرصہ بعد ہی ہم سے رُخصت ہو گئے۔ بعد کے آنے والے کچھ ایسے ناخلف ثابت ہوئے کہ مقاصد حاصل کرنا تو ایک طرف، ہم اپنی منزل ہی بھول گئے۔ اب حالت یہ ہو چکی

ہے کہ ہماری صفوں میں اِس درجہ انتشار ہے کہ اِسکا مداوا اگر زمانہءقریب میں نہ کیا گیا تو ہمیں اِسکی بہت بڑی سزا بھگتنی پڑے گی۔

اِس کا حل وہی ہے جس پر حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے عمل کیا تھا۔ یونس علیہ السلام کی قوم عذاب دیکھ کر ایمان لے آئی اور اپنے اعمال درست کر لیے پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک مدت تک زمانہ میں پنپنے کا موقع دیا۔ (یونس ۱۰، آیت ۹۸) ہمیں بھی چاہیے کہ ہم ایمان لے آئیں اور اپنے اعمال درست کر لیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں بھی بخش دے گا۔ ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ ..... '' (النساء۴، آیت ۱۳۶) ترجمہ ''اے ایمان لانے والو! ایمان لاؤ (اعلیٰ درجے کا) اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کی کتاب (قرآن حکیم) پر جو اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمائی ہے''۔ یہ آیت ہماری رہنمائی اس بات کی طرف کر رہی ہے کہ ایمانِ کامل تب ہوتا ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کے احکامات اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مضبوطی سے اپنی روزمرہ کی زندگی میں پکڑے رکھتا ہے۔

ہجرت کی ایک قسم تو نقل مکانی ہے جو ہم نے ۱۹۴۷ء میں اللہ تعالیٰ کی مدد سے کامیابی سے کی۔ ایک ہجرت اور ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں فرمایا، ''صحیح ہجرت کرنے والا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے'' (تفہیم البخاری، جلد اوّل، حدیث ۹)۔

قوم کے عروج و زوال میں لیڈر کا کردار نہایت اہم ہے۔ اگر لیڈر خود ہجرت کے روحانی مفہوم سے نابلد ہے تو وہ قوم میں صحیح ہجرت کے شعور کو کیسے اُجاگر کر سکتا ہے۔ ابھی تک قوم کو جو لیڈر بھی ملا، وہ اس شعور سے خالی تھا۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں عدل قائم ہونے کے بجائے ایک ظالمانہ نظام قائم ہو گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ ''قوم کفر سے تو زندہ رہ سکتی ہے لیکن ظلم سے زندہ نہیں رہ سکتی''

''**الملک یبقی مع الکفر و لا یبقی مع الظلم** ''(نہج البلاغہ)۔اگر ہم نے زندہ رہنا ہے تو ہمیں ایسے لیڈر لانے ہوں گے جو ہجرت کے صحیح مفہوم کو سمجھیں اور نظامِ عدل کو قائم کرنے کیلئے قوم کے ساتھ خلوص کا ثبوت دیں۔

مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ موجودہ پارلیمانی نظامِ حکومت ہمارے مزاج کے مطابق نہیں ہے۔حضرت قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک جلسہ میں ایک دفعہ فرمایا تھا کہ''میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ وہ پارلیمانی نظامِ حکومت جو انگلستان میں رائج ہے، ہمارے لیے ناموزوں ہے''*۔ ہمارا ساٹھ سالہ تجربہ تو یہی ہے کہ حضرت قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات بالکل درست ثابت ہوئی ہے۔جو لیڈر بھی اس نظام کے تحت آگے آتا ہے، وہ حکمرانی کے اچھے اصولوں سے بے خبر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جمہوریت کو پسند فرماتا ہے۔ جتنے انبیاء کرام علیہم السلام بھی اس دُنیا میں آئے، انکا پیغام جمہوریت پر ہی مبنی تھا۔کسی نبی علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا۔ ہر نبی نے مکمل طور پر اپنی قوم کو یہ آزادی دے رکھی تھی کہ وہ اس سے اتفاق کرے یعنی اس پر ایمان لائے یا اسکا انکار کرے یعنی کفر کا راستہ اختیار کرے۔ساتھ ہی ہر نبی نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ جو اس سے اتفاق کرے گا یعنی ایمان لائے گا، وہ سرخرو ہوگا۔ جو اس سے اتفاق نہیں کرے گا اور مخالفت کرے گا، وہ دونوں جہانوں میں نقصان اُٹھانے والا ہوگا۔آزادئ رائے اور آزادئ اختیار ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔

اِسلامی جمہوریت میں جسکو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے، اِختلافِ رائے کی اجازت تو ہے لیکن جب اکثریتی رائے ایک طرف ہو جاتی ہے تو مختلف رائے رکھنے والی اقلیت اکثریت کا ساتھ دینے کیلئے دِل وجان سے تیار ہو جاتی ہے جبکہ پارلیمانی

* یہ فقرہ میں نے ۹۴/۱۹۹۳ء روزنامہ ''نوائے وقت'' سے نوٹ کیا تھا اور ''ہمارے لیے'' کی جگہ حضرت قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ''ہندوستان'' کا لفظ استعمال فرمایا تھا جبکہ ابھی پاکستان معرض وجود میں نہیں آیا تھا۔

جمہوریت میں جسکو ہم نے اپنایا ہوا ہے، اختلافِ رائے ہمیشہ ہی قائم رہتا ہے۔ اس مستقل اختلاف کی وجہ سے حکومت کا صحیح طریقے پر چلایا جانا ممکن نہیں ہے۔ ہمارے ہاں یہ بات تجربہ سے ثابت ہو چکی ہے۔ صاحب اقتدار اور اپوزیشن میں ہمیشہ ہی لڑائی جھگڑے رہتے ہیں جسکے نتیجے میں ابھی تک ایک اسمبلی نے بھی اپنی آئینی مدت پوری نہیں کی۔ یہ پارلیمانی جمہوریت ہمارے مزاج کے مطابق نہیں ہے۔

○.....○.....○

معرکہءحق و باطل

قیامِ پاکستان کی جدوجہد فی زمانہ ایک بہت بڑا معرکہءحق و باطل تھا۔ دو بڑی غیر مسلم قوتیں انگریز اور ہندو ہندوستان میں مسلمانوں کو انکے حقوق دینے کیلئے تیار نہیں تھیں۔ مسلمانانِ ہند نے اس بات کو بھانپ کر قرار دادِ مقاصد تشکیل دی جس میں واضح طور پر اس بات کا اعلان کر دیا گیا کہ مسلمان چونکہ غیر مسلموں سے ایک علیحدہ قوم ہیں، اسلئے وہ اپنی ایک آزاد ریاست کا مطالبہ کرتے ہیں۔ یہ ایک بہت ہی مشکل جنگ تھی جو علم، حکمت اور قلم سے لڑی گئی۔ بالآخر قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کی ولولہ انگیز مؤمنانہ قیادت کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ۱۴-اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کی ریاست مسلمانانِ ہند کو عطا فرمائی۔ جب تینوں قوتوں (انگریز، کانگریس، مسلم لیگ) نے بالآخر فیصلہ کیا کہ ہندوستان کی تقسیم ۱۴-اگست کی شب کو ہو جائے گی تو نہ تو یہ قوتیں جانتی تھیں، نہ کوئی اَور جانتا تھا کہ ۱۴-اگست کی رات رمضان المبارک کی ستائیسویں رات ہو گی۔ اکابرین اُمت کا پختہ خیال ہے کہ رمضان المبارک کی ۲۷ویں رات ہی لیلۃ القدر ہے۔ اس رات اللہ تعالیٰ ہر اَمر حکیم اپنے پاس سے فرشتوں کے حوالے فرماتا ہے۔ ''اِنَّـآ اَنْـزَلْـنٰـهُ فِـیْ لَیْـلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّـا كُنَّـا مُنْذِرِیْنَ ○ فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ ○ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَآ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ ○ رَحْـمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّـهٗ هُـوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○'' (الدخان ۴۴، آیت ۳-۶) ترجمہ ''ہم نے ہی اسکو (قرآن حکیم) ایک مبارک رات میں اُتارا ہے۔ بے شک ہم متنبہ کرنے والے ہیں۔ اس رات تمام حکمت کے اُمور ہمارے یہاں سے فیصل ہو کر جاتے ہیں۔ بلا شبہ ہم ہی آپکو رسول بنانے والے

ہیں۔ یہ آپکے رَب تعالیٰ کی طرف سے رَحمت ہے۔ وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے''۔

اب یہ ظاہر ہے کہ پاکستان کی تخلیق خالق ارض وسماوات نے اپنے اَمر حکیم سے فرمائی ہے۔ کوئی بھی شے جو اللہ تعالیٰ کے اَمر حکیم سے بنتی ہے، کائنات میں خاص اہمیت رَکھتی ہے۔ قرآن مجید بھی اَمر حکیم سے ہی اس زمین پر نازل ہوا اور یہ قیامت تک تمام بنی نوع انسان کی ہدایت کیلئے قائم اور زندہ رہے گا۔

پاکستان بھی اس رات اسی اَمر حکیم سے بنا ہے اور وہ قیامت تک زندہ و جاوید رہے گا (انشاءاللہ تعالیٰ)

قرآن مجید ہدایت کیلئے آیا ہے اور ہدایت تقویٰ اور محنت سے ملتی ہے۔ جو قرآن مجید پر (فرد یا قوم) محنت نہیں کرے گا، وہ دُنیا و آخرت میں سخت خسارے میں رہے گا اور جو اس پر خلوص سے محنت کرے گا، اللہ تعالیٰ اس (فرد اور قوم) کو سر بلند فرما دے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ اس قرآن حکیم کے ذریعے کچھ قوموں کو سر بلند فرمائے گا اور کچھ کو گرا دے گا'' (مسلم)۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''**وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا ○**'' (الفرقان ۲۵، آیت ۳۰) ترجمہ ''اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمائیں گے، اے میرے رَب! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رَکھا تھا''۔ بلاشبہ پاکستان حاصل کر لینے کے بعد ہم نے قرآن مجید کو چھوڑا ہوا ہے۔ ہمیں سنجیدگی سے سوچنا چاہیے کہ اتنا مشکل حق و باطل کا معرکہ جیتنے کے بعد ہم اپنے اصلی مقصد میں یعنی کہ نظامِ اِسلام کو قائم کرنا ہے، کیوں سست ہو گئے ہیں۔ پاکستان کی اکثریت اس بات کی خواہش رَکھتی ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کی کتاب کا نظام چلے لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ایک قلیل تعداد بدقسمتی سے اس کے خلاف کام کر رہی ہے۔ اس قلیل تعداد کے غیر صالح ہاتھوں نے پاکستان

کو جکڑ رَکھا ہے۔

پاکستان کا استحکام اور ترقی اسی میں ہے کہ ہم اپنے نظامِ زندگی کو قرآن حکیم اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصولوں پر استوار کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جبکہ وہ ایک جہاد سے واپس مدینہ طیبہ تشریف لا رہے تھے فرمایا، ''ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹ رَہے ہیں''۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے پوچھا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! جہادِ اکبر کیا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''تزکیہ نفس''۔ تزکیہ نفس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کو اپنے نفس کے تابع کرنے کے بجائے قرآن مجید کے قوانین اور اصولوں کے تابع کردے یعنی کہ وہ قرآنی ڈسپلن پر ثابت قدم رَہے۔ اگر آپ میں ڈسپلن نہیں ہے یا پوری قوم ڈسپلن سے بالکل خالی ہے جیسا کہ آج کل ہم ہیں تو سرحدوں کی حفاظت کامیابی سے نہیں ہوسکتی۔ آج کل سرحدوں کی حفاظت یعنی ملکی دفاع بہترین جہاد ہے۔ غزوۂ اُحد اور غزوۂ خندق خالصتاً مدینہ منورہ کے دفاع میں لڑے گئے تھے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''اللہ تعالیٰ کی راہ میں (سرحد پر) ایک دِن کا پہرہ دینا ہزار دِنوں سے بہتر ہے جو گھروں میں گزرے ہوں'' (ترمذی، حدیث ۱۵۱۸)۔ یہ جہاد تزکیہ نفس یعنی کہ ڈسپلن کے تابع ہے۔ اگر آپ کا ڈسپلن کمزور ہے تو آپ سرحدوں کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ قرآن مجید میں ڈسپلن کی ایک بہترین مثال حضرت طالوت علیہ السلام کے واقعہ میں بیان ہوئی ہے۔ (البقرہ ۲، آیت ۲۴۹) جب حضرت طالوت علیہ السلام اپنی فوجوں کو لے کر نکلے تو انہوں نے اپنی فوجوں کو فرمایا کہ راستے میں ایک ندی آئے گی لیکن تمہیں شدید پیاس کے باوجود پانی پینے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری آزمائش ہے۔ جو حکم کی نافرمانی کرے گا، وہ میری فوج میں شامل نہیں رَہے گا البتہ پیاس کے

غلبے کی وجہ سے تمہیں ایک چُلّو بھر پانی پینے کی اجازت ہے۔ پھر واقعہ یہ ہوا کہ سوائے قلیل تعداد کے اکثر فوج نے پانی سیر ہو کر پی لیا تو حضرت طالوت علیہ السلام نے ان تمام کو اپنی فوج سے نکال دیا اور صرف اُنہی لوگوں کو جو ڈسپلن پر قائم رَہے اور پانی نہیں پیا اور بڑی قلیل تعداد میں تھے، ساتھ لے کر دُشمن کے مقابلے کیلئے اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر میدان میں اُتر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے انکے صبر (یعنی ڈسپلن) کی بنا پر انکو فتح عطا فرمائی، یہی تزکیہ نفس ہے۔

اگر اقتدار کے ایوانوں میں ہر قسم کی نفس پرستی جاری ہو اور ڈسپلن کا شائبہ بھی نظر نہ آئے تو ہم اپنی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کیسے کر سکتے ہیں؟ اگر ہم نے زندہ رہنا ہے تو ہمیں ڈسپلن کو ہر سطح پر اختیار کرنا ہوگا اور اس ملک میں جو کہ اِسلام کے نام پر بنا ہے، اس میں اِسلامی نظام کو رائج کرنے کیلئے پُرخلوص جدوجہد کرنی ہوگی پھر جو بھی تکالیف آئیں، انکو برداشت کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی مدد نماز اور صبر سے حاصل کرتے رہنا چاہیے۔

قوم کے تزکیہ نفس کی تربیت کیلئے ایک انتہائی منظّم لیڈر کا ہونا بہت ضروری ہے۔ جو لیڈر خود منظّم نہیں ہے، وہ عوام میں نظم وضبط کیسے پیدا کر سکتا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے لیڈروں میں ڈھونڈنے سے بھی ایسا کوئی شخص نہیں ملتا جسکی اپنی ذاتی زندگی ڈسپلن پر استوار ہو۔ لیڈر جس درجے کا ہوگا، وہ قوم کو ویسا ہی بنا دے گا۔ یاد رَکھیے! قومیں لیڈر کے بغیر نہیں بنتیں۔ آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے ابوبکر، عمر، عثمان، علی اور دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سب مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں موجود تھے لیکن کوئی لیڈر نہ ہونے کی وجہ سے وہ عام انسانوں کی طرح زندگی بسر کر رَہے تھے۔ بعثت کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو تزکیہ نفس یعنی ڈسپلن اور تقویٰ کی تربیت دی تو یہی انسان اور یہی قوم دُنیا کی اتنی بہترین قوم بن کر اُبھری کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں

انکی تعریف ان الفاظ میں کی ''کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ اُخرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ''(آلِ عمران۳، آیت۱۱۰) ترجمہ ''تم ایک بہترین اُمت ہو جو کہ تمام انسانوں کی رَہنمائی کیلئے نکالی گئی ہو۔تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رَکھتے ہو''

اعلیٰ معیار کی لیڈرشپ نہ ہونے کی وجہ سے ہم ایک بہت ہی کمزور اور منتشر اُمت بن چکے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی عنایات حاصل کرنے کیلئے جو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر فرمائی تھیں، ہمیں دوبارہ اپنا تزکیہ نفس کر کے اپنے اندر نظم وضبط پیدا کرنا ہوگا۔حضرت قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ولولہ انگیز قیادت نے مسلمانانِ ہند میں یہ ڈسپلن پیدا کر دیا تھا جسکی بنأ پر پاکستان معرض وجود میں آیا۔وہ پاکستان جسکی تخلیق لاکھوں خاندانوں نے اپنے خون سے اسلئے کی کہ یہاں اِسلامی نظام قائم ہوگا، وہ آج اپنی بقا کی جنگ لڑ رَہا ہے۔ہمیں سوچنا چاہیے کہ جب تک ہم اپنی صفوں میں کرپشن، بدانتظامی، سہل پرستی اور ظلم ختم نہیں کریں گے، ہم ہرگز زمانے میں ترقی نہیں کر سکتے۔وہ جذبہ کہ جس سے معرکہءحق و باطل جو کہ قیامِ پاکستان کے وقت قلم، علم اور حکمت سے لڑا گیا، اپنی صفوں میں واپس لانا ہوگا۔یہ یادرَہے کہ قومیں مادیات سے نہیں بنتیں بلکہ لیڈروں سے بنتی ہیں۔کسی شاعر نے درست کہا،

Not gold but only men can make,
A people great and strong,
Men who for truth and honour's sake,
Stand fast and suffer long.

''ملک کو مضبوط اور عظیم سونا چاندی نہیں بناتے بلکہ وہ لوگ بناتے ہیں
جو مدت دراز تک مصیبتیں جھیلتے اور ثابت قدم رہتے ہیں''

پاکستان کا قیام پیسوں سے تو معرض وجود میں نہیں آیا تھا۔یہ حضرت قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت اور مسلمانانِ ہند کے جذبے سے بنا تھا۔اپنا گھر بار چھوڑنا،

گاجر مولی کی طرح کٹ جانا آسان کام نہیں ہے۔ جولوگ مہاجر بن کر آئے ہیں، ذرا اُن سے پوچھئے کہ انکے اس وقت کے جذبات کیا تھے اور آج کے کیا ہیں۔

ہمارے گاؤں میں روزانہ سینکڑوں مہاجرین آتے تھے جن کو میرے والد ماجد انصارِ مدینہ طیبہ کی سنّت پر اپنے گھر میں ٹھہراتے اور چند دِن کے بعد وہ اپنے رشتہ داروں کی تلاش میں آگے نکل جاتے۔ ان کی دَرد بھری کہانیاں لیکن خلوص میں ڈوبی ہوئی باتیں پاکستان کے قیام اور بقاء کے لیے ہمیں بہت حوصلہ دیتی تھیں۔ انہی مہاجرین میں ایک لڑکا تھا جو میرا دوست بن گیا۔ اس کی عمر نو دَس سال کی ہوگی۔ وہ جس قافلے میں آیا تھا، وہ تو آگے نکل گیا اور اس نے میرے والد ماجد سے ہمارے ساتھ رہنے کی اجازت طلب کی۔ ہم بھائیوں کی طرح رہنے لگے۔ باقی مہاجرین کی دَردناک کہانیاں سن کر میں ذرا محتاط ہوگیا تھا کہ اس سے میں کوئی لاعلمی میں ایسی بات نہ کردوں جو اس کی دِل آزاری کا سبب بنے لیکن ایک دِن میں نے بڑے احتیاط سے اس سے پوچھا، ''بھائی یعقوب! یہ بتاؤ، تمہارا باقی خاندان کہاں ہے؟ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہ رونے لگا۔ میں نے اس کو تسلی دی۔ پھر میں نے اس سے یہ سوال کبھی نہیں کیا۔

ایک دِن بارش ہورہی تھی۔ وہ یکدم بولنے لگا۔ کہنے لگا کہ بالکل اسی طرح بارش ہورہی تھی جب میرے ماں باپ میرے سامنے قتل ہوئے۔ پھر وہ بولتا گیا۔ ہم جالندھر شہر سے کوئی آٹھ دَس میل دُور گاؤں میں رہتے تھے۔ ہم زمیندار تھے۔ ہم کوئی سو سے زیادہ افراد کا قافلہ بنا کر پاکستان کی طرف روانہ ہوئے۔ ابھی ہم نے ایک دِن کا سفر طے کیا تھا کہ بارش ہونے لگی۔ رات اندھیری گھپ تھی۔ یکدم ہم نے محسوس کیا کہ کچھ سکھ ہم پر حملہ آور ہوگئے ہیں۔ ہمارے مردوں نے بھی مقابلہ کیا لیکن ہمارے پاس تلواریں نہیں تھیں پھر بھی تین چار سکھوں کو مار گرایا۔ باقی خوفزدہ ہوکر بھاگ گئے۔ جو ہمارے قافلہ میں قتل ہوئے، ان میں میرے ماں باپ بھی تھے۔ میں نے

ایک جھاڑی کے پیچھے چھپ کر جان بچائی۔ یہاں مجھے سانپ نے ڈَس لیا۔ وہاں نہ کوئی ڈاکٹر، نہ حکیم اور نہ کوئی ہسپتال۔ ایک آدمی نے جہاں مجھے سانپ نے کاٹا تھا، چیرا دے کر چوسنا شروع کیا اور بعد میں پٹی باندھ دی۔ کہنے لگا تمہارے امی ابو قتل ہو گئے ہیں، گھبرانا نہیں۔ پاکستان پہنچ کر دَم لیں گے۔ میں نے پوچھا، ''میری بہن اور دو بھائیوں کا کیا بنا؟'' وہ کہنے لگا، ''وہ ٹھیک ہیں''۔ ہمارے کل پندرہ آدمی قتل ہوئے ہیں لیکن کوئی بات نہیں، پاکستان تو ہم نے پہنچنا ہے۔ وہاں پہنچتے ہی سب دُکھ بھول جائیں گے۔ میں دیر تک روتا رہا اور وہ مجھے تسلیاں دیتا رہا۔ اتنی دیر میں میری بہن اور دو بھائی بھی مجھے تلاش کرتے ہوئے میرے پاس پہنچ گئے۔ ہم سب ایک دوسرے کے گلے لگ کر کچھ دیر روتے رہے۔ رات یوں گزری کہ سکھوں کا خوف دماغ پر رَہا۔ صبح ہوئی، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور پھر سفر شروع کر دیا۔ ابھی آدھا دِن کا سفر کیا تھا کہ ہم دریائے بیاس کے کنارے پہنچ گئے۔ بارش تھم چکی تھی۔ ہم نے ستانے کیلئے وہاں ڈیرا لگایا۔ کچھ دیر کے بعد پانچ سکھ تلواروں کے ساتھ ہماری طرف آئے۔ ہمارے بھی آدمیوں نے آگے بڑھ کر انکا راستہ روکا اور وہ خوفزدہ ہو کر بھاگ گئے۔

لیکن ایک گھنٹہ کے بعد یکدم ہم نے دیکھا کہ کوئی بیس پچیس سکھ ہماری طرف آ رہے ہیں۔ میں نے دریا میں چھلانگ لگا دی اور موت سے جنگ کرتا ہوا دوسرے کنارے پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ مجھے علم نہیں میری بہن اور دو بھائیوں کے ساتھ کیا ہوا اور باقی قافلے والے کہاں گئے۔ میں اتنا خوفزدہ تھا کہ بھاگتا ہی گیا حتیٰ کہ شام کے قریب ایک اور قافلہ ملا جس میں میں شامل ہو گیا اور پاکستان کی طرف دیکھنے لگا کہ کب پاکستان کی سرحد آئے گی کہ سکھ کا سانس لوں گا۔ دو دِن کی اور مسافت کے بعد ایک سکھ ملا۔ اس نے ہمارے قافلے والوں کو کہا کہ آگے سکھوں کا ایک دیہات ہے، آپ اپنا راستہ تبدیل کر لیں ورنہ وہ تم سب کو قتل کر دیں گے۔ کوئی نیک آدمی لگتا تھا لیکن یہ بھی ڈَر تھا کہ کہیں ہمیں جھانسا نہ دے رہا ہو۔ خیر ہم نے اللہ

تعالیٰ کے بھروسے پر راستہ تبدیل کرلیا۔ دو تین دن کے بعد لاہور کی سرحد پر پہنچ گئے۔ مسلم لیگ کے رَضا کاروں نے ہمارا اِستقبال کیا اور ہم نے پاکستان کی سرزمین پر قدم رَکھ کر سکھ کا سانس لیا۔ ہم لاہور میں ایک مہاجر کیمپ میں کچھ دیر رَہے۔

اب میں سوچنے لگا کہ یہاں سے میں کدھر جاؤں۔ میرے والد صاحب کہا کرتے تھے کہ میری ایک پھوپھی ٹوبہ ٹیک سنگھ کے ایک گاؤں میں رہتی ہے لیکن مجھے اس گاؤں کا کوئی علم نہیں تھا۔ میں نے ایک قافلہ تلاش کیا جو ٹوبہ ٹیک سنگھ کی طرف آنے والا تھا۔ اس طرح میں آپکے پاس پہنچا ہوں۔ اب میں اس فکر میں ہوں کہ میں اپنی پھوپھی کو کہاں تلاش کروں۔ یہ کہہ کر وہ یکدم اُٹھا اور ایک طرف کو سرپٹ دوڑا۔ پھر آہستہ ہوا پھر واپس لوٹ آیا۔ میں نے پوچھا، ''یعقوب بھائی کیا بات ہے؟'' کہنے لگا، '' کچھ نہیں، کچھ نہیں۔ چلو کوئی کام کرتے ہیں''۔ شاید وہ جذباتی ہو گیا تھا اور اپنی پھوپھی کے پاس جلدی پہنچنا چاہتا تھا۔

اس دَردناک کہانی کے بعد میں نے بھائی یعقوب سے کبھی اسکے سفر ہجرت کے بارے میں دوبارہ کوئی سوال نہیں کیا۔ ایک دِن مجھے کہنے لگا مجھے پتہ چلا ہے کہ میری پھوپھی ٹوبہ ٹیک سنگھ اور کمالیہ کے درمیان ایک گاؤں میں رہتی ہے۔ ایک دِن میں صبح کو اُٹھا تو بھائی یعقوب غائب تھے۔ پھر آج تک ان سے ملاقات نہیں ہوسکی۔

یعقوب بھائی کی طرح لاکھوں افراد نے اپنے خاندان پاکستان کیلئے قربان کیے۔ یعقوب بھائی کا یہ بار بار کہنا کہ پاکستان کی سرحد کب آئے گی کہ سکھ کا سانس لوں گا، کیا معنی رکھتا تھا؟ جب یعقوب بھائی پاکستان میں داخل ہوا تو اسکے کیا جذبات ہوں گے۔ ساٹھ سال سے زیادہ عرصے کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ سکھ دینے والا پاکستان کہاں غائب ہو گیا ہے۔ آج کے حالات ایسے ہیں کہ ہر سانس دُکھ کا سانس ہے۔ ایسا کیوں ہوا ہے؟ اسکا جواب قرآن مجید دیتا ہے، ''**لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ**

حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰہُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَہٗ وَمَا لَھُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ مِنْ وَّالٍ ○'' (الرعد۱۳، آیت۱۱) ترجمہ ''ہر ایک کیلئے فرشتے ہیں، آگے اور پیچھے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسکی حفاظت کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی قوم جب تک خود اپنی حالت نہ بدلے، اللہ تعالیٰ اس کی حالت نہیں بدلتا اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر مصیبت کا ارادہ کرلے تو اس کے ٹلنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ان کا مددگار نہیں ہوتا''۔

جس جذبے سے حق و باطل کا معرکہ قیامِ پاکستان کیلئے شروع ہوا تھا، پاکستان بننے کے کچھ عرصہ بعد وہ جذبہ سرد پڑ گیا۔ قائد کے بعد جو بھی آیا، وہ اس شعور اور خلوص سے بالکل خالی تھا کہ پاکستان کی تخلیق کا مقصد کیا ہے۔ خلوص کے اس فقدان نے ہمیں یہاں تک پہنچا دیا کہ سُکھ کی بجائے اَب ہر طرف دُکھ ہی دُکھ نظر آتے ہیں۔ دو زخم ایسے ہیں جن کو برداشت کرنا آسان نہیں۔ ان میں سے ایک زخم مشرقی پاکستان کا علیحدہ ہونا ہے۔ یہ سانحہ بدنیّتی کی وجہ سے ہوا۔ عوام کی اکثریت علیحدہ ہونا نہیں چاہتی تھی۔ الیکشن کے نتیجے میں جس پارٹی نے سب سے زیادہ سیٹیں جیتیں، وہ عوامی لیگ تھی۔ عوامی لیگ پورے پاکستان کی حکومت بنانے کی پوزیشن میں تھی لیکن اسکو غیر مخلص سیاستدانوں نے حکومت بنانے کا موقع نہیں دیا۔ مجھے یاد ہے کہ ان دِنوں میں نے ''م۔ش کی ڈائری'' روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور میں پڑھا کہ کالم نگار مجیب الرحمٰن سے کہنے لگے، ''کیا آپ پاکستان سے علیحدگی چاہتے ہیں؟'' م۔ش (محمد شفیع) کا کہنا ہے کہ مجیب الرحمٰن نے کہا، ''دیکھو! میں بنیادی طور پر مسلم لیگی ہوں، یہ کیسے ممکن ہے۔ مجھے پہلے حکومت بنانے کا حق دیا جائے پھر آپ خود میرے رویے کو دیکھ لینا''۔

جب نیّت کافتور ہو تو اللہ تعالیٰ کی مدد نہیں آتی۔ نیّت کے اس فتور نے مشرقی پاکستان کو جنگ کی آگ میں جھونک دیا تھا۔ اگر سیاست میں خلوص ہوتا تو ایسے حالات پیدا نہ ہوتے۔

دوسرا بہت بڑا دُکھ جس میں ہم اَب گرفتار ہیں، اقتصادی غلامی کا دُکھ ہے۔ ہم آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کے غلام بن چکے ہیں۔ یہ حکومتوں کی غلط پالیسیوں کا نتیجہ ہے۔ غلط پالیسیاں غلط سوچ سے جنم لیتی ہیں۔ غلط سوچ خلوص کے فقدان سے پیدا ہوتی ہے جسکا محور صرف اپنی ذات اور اپنا نفس ہوتا ہے۔

جب خلوص ہوتا ہے تو صاف ستھری سوچ اَز خود پیدا ہو جاتی ہے پھر پالیسیاں اپنی ذات اور اپنے نفس کیلئے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاطر، عوام الناس کی بھلائی کو مدنظر رَکھتے ہوئے اور مجموعی طور پر ملک کی بہبودی کیلئے بنائی جاتی ہیں اور پھر نتائج بھی مثبت نکلتے ہیں۔

اس صورتحال سے فوری نکلنے کی تدبیر کرنی چاہیے لیکن کوئی ایسا لیڈر نظر نہیں آتا جو اتنی جرات اور فراست رَکھتا ہو۔ دَراصل قائد کے جانے سے ہم پُرخلوص، جرات مند اور دانا لیڈر سے محروم ہو گئے ہیں۔ اب ہماری صفوں میں صحیح لیڈرشپ کا سخت فقدان ہے۔

اِن گھمبیر حالات سے نکلنے کا طویل المدت راستہ یہ ہے کہ تعلیم کو عام کیا جائے اور اس کے معیار کو بین الاقوامی معیار پر لایا جائے۔ ہمارے نظامِ تعلیم کو از سرِنو تشکیل دینے کی ضرورت ہے۔ تعلیم کا ڈھانچہ ہمیں اپنے کلچر، اپنی ضروریات اور اپنے مزاج کے مطابق بنانا چاہیے۔ ہماری تعلیم کے تین رُخ ہونے چاہییں، اوّل قرآن و سنّت، دوم اُردو، عربی اور انگریزی زبانیں، سوم سائنس۔

قرآن حکیم اور سنّت رسول صل اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم اعلیٰ معیار کے ساتھ ہمارے سکولوں کے نظامِ تعلیم میں لازمی مضمون کے طور پر شامل ہونی چاہییں۔

کوئی قوم دوسری زبان کو اختیار کر کے ترقی نہیں کر سکتی۔ ہمارا ذریعہ تعلیم بشمول سائنسی مضامین اُردو میں ہی ہونا چاہیے۔

عربی زبان کا سیکھنا انتہائی ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سنّت

رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عربی زبان پر عبور حاصل کیے بغیر ہم نہیں سمجھ سکتے۔ جب تک ہم ان دو کتابوں کو گہرائی میں نہیں سمجھیں گے، ہمارے تمام قوانین جو ہماری اسمبلیاں بناتی ہیں، غیر اِسلامی ہوں گے۔ انکے گہرے مطالعہ کے بغیر ہم حقوق اللہ اور حقوق العباد کا صحیح علم حاصل نہیں کر سکتے جسکے بغیر عدل کا قائم کرنا تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔

انگریزی زبان کا کسی حد تک جاننا اس لئے ضروری ہے کہ یہ آج کل بین الاقوامی زبان بن چکی ہے۔ بین الاقوامی سطح پر یہی ایک زبان اِظہارِ خیال کا ذریعہ بن گئی ہے۔

آج کل سائنس اس درجہ ترقی کر چکی ہے کہ اگر ہم اس پر توجہ نہیں دیں گے تو ہم سے زیادہ پس ماندہ ملک دُنیا میں اور کوئی نہیں رہ جائے گا۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ سائنسی علوم میں ہم کوئی سو سال یورپ سے پیچھے ہیں۔ سائنسی پسماندگی کے ساتھ ہماری سوچ بھی اتنی ہی پسماندہ ہوگئی ہے۔ فکری ارتقا کیلئے لازمی بات ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے رازوں کو تلاش کریں اور ان سے فائدہ اُٹھائیں جیسا کہ مغربی قومیں آج کل کر رَہی ہیں۔ فکری ارتقا کے بغیر انفرادی اور قومی ترقی ناممکن ہے۔

ان تین اجزائے ترکیبی کے بغیر جو بھی تعلیمی نظام بنے گا، پستی کی طرف لے جائے گا۔ جب یہ مجوزہ نظامِ تعلیم عمل میں آئے گا تو صحیح لیڈرشپ اُبھرے گی۔ اسکے بغیر اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ یاد رَکھیے، ہم جو بھی نظامِ تعلیم بنانا چاہتے ہیں، اگر ہماری نیّت اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رَضا کے برعکس کچھ اور ہے تو پھر ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد کا آنا مشکل ہو جائے گا۔ پھر ہم ترقی کے بجائے تنزل کے راستے پر بدستور چلتے رہیں گے اور ہمیں کبھی بھی صحیح لیڈرشپ نہیں ملے گی۔

○.....○.....○

قرآنی آیات
فی
اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ج وَمَنْ تَوَلّٰی فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْھِمْ حَفِیْظًا ○ (النساء۴، آیت۸۰)

جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی، اُس نے دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جورُوگردانی کرے گا تو جان لو کہ ہم نے تم کو انکا نگران بنا کر نہیں بھیجا

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ط وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْم ○ (آلِ عمران۳، آیت۳۱)

(اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) اعلان کردو کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنا چاہتے ہو تو میری اطاعت کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمانے لگے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا۔ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور بڑا رحم فرمانے والا ہے

وَاَطِیْعُوْا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (آلِ عمران۳، آیت۱۳۲)

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے

تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ ط وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ یُدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ط وَذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○ (النساء۴، آیت۱۳)

یہ ہیں اللہ تعالیٰ کی حدود اور جو بھی اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرے گا، اللہ تعالیٰ اسکو جنت میں داخل فرمائے گا جسکے نیچے ندیاں بہہ رہی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور یہی ہے دراصل بڑی کامیابی

احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
فـــی
اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ اَطَاعَنِی فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰه (سنن ابن ماجہ)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ''جس نے میرا حکم مانا، اس نے دراصل اللہ تعالیٰ کا حکم مانا اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی''۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ كَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ (سنن ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جس شخص نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا پس وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے''۔

عَنْ اَبِیْ بَكْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ یَوْمَ النَّحْرِ قَالَ لِیُبَلِّغُ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَاِنَّهٗ رُبَّ مُبَلَّغٍ یَبْلُغُهٗ اَوْعٰی لَهٗ مِنْ سَامِعٍ (سنن ابن ماجہ، باب علم کی تبلیغ)

حضرت ابی بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کے روز خطبہ دیا اور فرمایا، ''حاضر شخص کو چاہیے کہ وہ غائب کو یہ باتیں پہنچا دے کیونکہ بہت سے لوگوں کے پاس احادیث پہنچائی جاتی ہیں اور وہ ان سننے والوں سے زیادہ بیدار مغز ہوتے ہیں''۔

باب ۲

کتاب الایمان

حدیث ۱: عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْھُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلیٰ خَمْسٍ شَھَادَۃُ اَنْ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ وَاَنَّ مُـحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ وَالْحَجِّ وَصَوْمَ رَمَضَانَ۔ (تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۷)

ترجمہ : فرمایا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اِسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے یہ کہ (۱) لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ مُـحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا دِل سے اقرار کرنا، (۲) اور نماز کا قائم کرنا، (۳) اور زکوۃ کا ادا کرنا، (۴) اور حج کرنا (۵) اور رمضان کے روزے رکھنا۔

نوٹ: اِسلام یعنی سلامتی کی بنیاد ہر انسان کیلئے اللہ تعالیٰ نے پانچ باتوں میں رَکھی ہے۔ اِن میں سب سے پہلی بات توحید اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر دِل سے ایمان لانا اور اس پر آخری دَم تک قائم رہنا ہے۔ اگر یہ ایمان اور یقین پختہ نہیں ہے تو باقی چار باتوں پر عمل کرنا کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

توحید یہ ہے کہ اس کائنات میں جسکو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھوں سے پیدا فرمایا ہے، کوئی دوسری ہستی ایسی نہیں ہے جو اس کے کسی کام میں شریک یا معاون ہو۔ شہنشاہِ کل اور مالک ارض وسماوات وہی ہے لہٰذا جو آئین اور قوانین اُس نے ہمارے لیے بنائے ہیں، ان میں کوئی دوسری ہستی نہ تبدیلی کرنے کی مجاز ہے اور نہ ہی اِن کا انکار کرنے کی طاقت رَکھتی ہے۔ تمام عبادات اور تمام معاملات کے قوانین اور اصول جو اس نے ہمارے لیے وضع فرمائے ہیں، انہی کو ماننا پڑے گا۔ ہمارے اپنے بنائے ہوئے اصول اور قوانین اور رسم ورواج اگر اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق ہیں تو درست ہیں۔ اگر معاملہ

اس کے برعکس ہے تو ہمارے بنائے ہوئے رسم و رواج اور قوانین خواہ وہ ظاہراً کیسے ہی خوشنما لگیں، ہرگز درست نہیں ہیں۔

رسالت پر ایمان رکھنا اسلئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قوانین حضرت جبرائیل علیہ السلام کے واسطہ سے انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے انسان تک پہنچاتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا کام ان قوانین کی وضاحت فرمانا اور عملی طور پر نافذ کر کے دکھانا ہوتا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ آخری نبی ہیں، اسلئے اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن مجید بھی آخری کتاب ہے۔ تمام بنی نوع انسان کیلئے تا قیامت یہی کتاب اور اسی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ قابل عمل اور قابل قبول رہے گا۔ ''**قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّی رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا**'' (سورۃ الاعراف ۷، آیت ۱۵۸) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا، تم اعلان فرما دو کہ اے ''تمام دُنیا کے'' انسانو! میں تم سب کی طرف رسول بن کر آیا ہوں''۔

زندگی روز بروز پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتی جارہی ہے۔ قرآن مجید اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سامنے رکھ کر ہی نئے مسائل کا حل تلاش کرنا چاہیے۔ انکو چھوڑ کر کوئی اور طریقہ اختیار کرنا گمراہی سے کم نہیں ہوگا۔ علماء ان مسائل کا حل قرآن مجید اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تلاش فرماتے ہیں۔ یہ طریقہ زمانہء اولیٰ سے جاری ہے۔ بدقسمتی سے آج کل اسکی آئینی اور قانونی حیثیت بہت کم ہوگئی ہے۔ یہ طریقہ اَب زیادہ تر افراد کے ذاتی اور انفرادی مسائل کیلئے رہ گیا ہے اور اسکے پیچھے کوئی ریاستی طاقت کارفرما نہیں ہے۔ اب ایسے فتوے صرف کتابوں ہی کی زینت بنتے ہیں۔

زمانہء حال میں قانون سازی کا عمل قضا سے ہٹ کر اسمبلیوں میں چلا گیا ہے۔ اسمبلیوں کی رُکنیّت کیلئے قرآن مجید اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کی شرط نہیں رکھی گئی۔ یہ اسمبلیاں پرانے زمانے کی مجالس شوریٰ ہیں۔ اگر اکثر اراکین اسمبلی قرآن مجید اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ناواقف ہوں گے تو قوی امکان ہے کہ وہ غیر قرآنی قوانین ہی بنائیں گے۔ اَب حالت تو یہ ہے کہ ہمارے اکثر قوانین حقیقتاً غیر قرآنی ہیں۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن مجید اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سامنے رکھ کر اپنے قوانین نہیں بناتے تو ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہم ''**لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ**

مُحَمَّد'' رَّسُوْلُ اللّٰہ ''پر ایمان رَکھتے ہیں۔ ہمارا ایمان تو تب ہی معتبر ہے جب ہم اس پر عمل کریں۔

یہ پانچ باتیں جو اس حدیث شریف میں ہمیں بتائی گئی ہیں، اِسلام کی صرف بنیاد ہیں۔ اس بنیاد پر عمارت کھڑی کرنا دوسرا قدم ہے لیکن ہم نے انہی کو پورا اِسلام سمجھ لیا ہے، باقی پوری عمارت کو بالکل چھوڑ رَکھا ہے۔ یاد رَکھیے کہ گو عمارت بغیر بنیاد کے نہیں بنائی جا سکتی تو بنیاد بھی بغیر عمارت کے مفید نہیں ہوسکتی۔ اِسلام کی بنیاد اور اِسلام کی عمارت دونوں اکٹھے مل کر ایک پورا اِسلام بناتے ہیں اور صرف مکمل عمارت ہی حفاظت کی ضمانت دے سکتی ہے۔ اِسلام کی یہ عمارت جب مکمل کر لیں گے تب ہی ہم اس ذِلّت سے محفوظ رہیں گے جس میں ہم بلاشبہ مبتلا ہو چکے ہیں۔ یہ عمارت ہمیں اس دُنیا میں بے شمار داخلی اور خارجی حوادث سے جن میں ہم بُری طرح گرفتار ہو چکے ہیں، تحفظ دے سکتی ہے۔

اِسلام کی یہ عمارت کیا ہے۔ یہ عمارت قرآن مجید اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مجموعہ سے بنتی ہے۔ اس عمارت میں بے شمار دریچے ہیں۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''ایمان کی شاخیں ستر (۷۰) سے اوپر ہیں، ان سب میں اعلیٰ شاخ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے اور ادنیٰ ایمان کی شاخ یہ ہے کہ کوئی تکلیف دہ چیز راستے سے ہٹا دی جائے اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے'' (مشکوٰۃ المصابیح، جلد اوّل، حدیث ۳) ان دریچوں سے نورِ ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیلتی ہیں۔ ان شعاعوں میں ہی ہم سیدھا راستہ تلاش کر سکتے ہیں۔

اگر ہم بنیاد پر ہی بیٹھے رہیں تو ان شعاعوں سے استفادہ حاصل نہیں کر سکتے اور بہت ممکن ہے کہ ہم گمراہ ہو جائیں۔ ہمیں بنیاد پر سے اُڑ کر ان شعاعوں میں پرواز کرنی ہو گی تب کہیں ایسے راستے ملیں گے جن کو مکمل اِسلام کہا جا سکتا ہے۔

ملک اِسلام کے نام پر بنا تھا، اسکے قوانین بھی قرآن مجید اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اخذ کیے ہوئے اصولوں پر مبنی ہونے چاہییں۔ قانون ساز اسمبلی (مجلس شوریٰ) کے ممبر جب تک قرآن مجید اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمارت کا پورا ادراک کرنے کی صلاحیت نہیں رَکھتے، ہمارے قوانین اِسلامی نہیں بنائے جا سکتے۔ اسکے لیے ہمارے نظامِ تعلیم میں عربی زبان اور قرآن مجید و سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی

تعلیم کم از کم گریجوایشن تک لازمی ہونی چاہیے اور اسکا معیار بلند سے بلند رَکھنا چاہیے۔
تعلیم کا دائرہ اس درجہ وسیع ہو کہ ملک کا ہر بچہ تعلیم ضرور حاصل کرے اور جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا ہے، عربی اور قرآن مجید و سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم اعلیٰ معیار کے ساتھ لازمی ہو۔

کسی مسلک کی تعلیم دینے کے بجائے قرآن حکیم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم دی جائے اور طلبہ میں اتنی صلاحیت پیدا کی جائے کہ وہ قرآن حکیم اور حدیث نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خود مسائل کا حل تلاش کر سکیں اور یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں کیونکہ قرونِ اولیٰ کے علماء نہ صرف دینی علوم کے ماہر تھے بلکہ سائنسی علوم میں بھی یدطولیٰ رکھتے تھے۔

○.....○.....○

حدیث ۲: عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ اَیُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ؟ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ۔ (تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث۱۰)

ترجمہ: ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہترین اِسلام کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''بہترین اِسلام یہ ہے کہ مسلم اپنی زبان اور ہاتھ سے تمام مسلمانوں کو سلامتی عطا کرے''۔

نوٹ: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ پیغام دیا ہے کہ تمہارا وجود انسانوں کیلئے باعث رَحمت ہونا چاہیے نہ کہ باعث زحمت۔ تمہارا ہر قول اور ہر فعل دوسرے مسلم بھائی کیلئے خیر ہی خیر ثابت ہو۔

ہمیں چاہیے کہ اپنے اندر دوسروں کیلئے اچھے جذبات اور اچھے خیالات رکھیں اور جہاں تک ممکن ہو، دوسروں کو تکلیف دینے سے باز رہیں۔ حسد، کینہ، بغض کے جذبات کی جگہ محبت، خیر سگالی اور ہمدردی کے جذبات پیدا کریں۔ غصہ کو کنٹرول کرنے اور معاف کرنے کی عادت ڈالیں۔ دوسرے کی تکلیف کو رفع کرنے کی کوشش کا اَجر اللہ تعالیٰ کی رَحمت کا مستحق بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رَحمت انسان کو اِس دُنیا میں بھی بہترین زندگی عطا کرتی ہے اور آخرت میں بھی بہترین زندگی کا وعدہ کرتی ہے۔

جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''**اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُھُمُ الرَّحْمٰنُ، اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ**''، ترجمہ ''رحم کرنے والوں پر رحمان رحم فرماتا ہے۔ زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا''۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسان کے دو اجزاء کا ذکر فرمایا ہے، زبان اور ہاتھ کا۔ یہ دو اجزاء انسان کے تمام اعمال کی بنیاد بنتے ہیں۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،

''جو شخص مجھے زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کی ضمانت دیتا ہے، میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں''۔

اندازِ گفتگو دوسرے انسان کو متناسب ردِعمل پر اُبھارتا ہے۔ اگر آپ کسی سے نرم بات کریں گے تو وہ بھی آپ سے نرم بات کرے گا اور آپ کی بات کو سننے کیلئے آمادہ ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرمایا، ''**فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى** ○'' (طٰہٰ ۲۰، آیت ۴۴) ترجمہ ''فرعون سے نرمی سے بات کرنا، شاید وہ نصیحت پکڑے یا ڈر جائے''۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن مجید میں یوں مخاطب فرمایا، ''**فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ**'' (آلِ عمران ۳، آیت ۱۵۹) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے تم ان کیلئے نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ اگر تم سخت مزاج ہوتے تو یہ سب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس سے بھاگ جاتے۔ سو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان سے درگزر فرماتے رہیے۔ ان کے لیے استغفار فرماتے رہیے اور ان کو اپنے مشوروں میں شامل رَکھیے''۔

یہ اَمر واقعہ ہے کہ جہاں شائستہ زبان محبت اور موافقت پیدا کرتی ہے، وہاں غیر شائستہ اور بدکلامی نفرت پیدا کرتی ہے اور بہت سے جھگڑوں کا باعث بنتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بدکلامی کو روکنے کیلئے ہمیں فرمایا، ''**وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ**'' (الانعام ۶، آیت ۱۰۸) ترجمہ ''آپ لوگ ان کے معبودوں کو جنکی وہ عبادت کرتے ہیں، گالی نہ دیں۔ کہیں وہ نادانی میں اللہ تعالیٰ کو گالی نہ دے دیں''۔ ہمارے دینی حلقوں میں یہ معمول سا بن گیا ہے کہ دوسروں پر ناشائستہ الفاظ سے تنقید کرتے ہیں، یہ طریقہ اچھا نہیں ہے۔ اگر آپ شائستگی کی زبان استعمال کریں گے تو دوسرا فریق بھی شائستگی سے بات کرے گا اور آپ کی دعوت کو سننے کیلئے آمادہ ہو جائے گا۔

زبان کا استعمال ہر انسان کی زندگی میں بہت ہی اہم مقام رَکھتا ہے۔ چھوٹی سی بات سے لے کر بڑی بات تک اگر اسکا استعمال صحیح نہ کیا جائے تو اس سے بہت سے

جھگڑے رونما ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ روزمرہ کی زندگی میں اسکا صحیح استعمال کریں تو آپ بہترین انسان بن سکتے ہیں اور بہترین انسان کی جزا بہترین ہی ہوگی، اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ روزمرہ کی زندگی میں اس کا بہترین استعمال یہ ہے کہ: ۱) سب کو سلام کیا کریں۔ روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اکثر بازار صرف سلام کرنے کے لیے جاتے تھے جو بھی راستے میں ملتا چھوٹا یا بڑا، ہر قسم کے انسان کو سلام کرتے جاتے تھے اور بغیر خرید وفروخت کے واپس آ جاتے تھے۔ ۲) جو آپ کے ساتھ کوئی بھلائی کا کام کرے، اس کا زبان اور دِل سے شکریہ ادا کریں۔ ۳) اچھی خبر کو دوسرے تک پہنچائیں اور بُری خبر پر خاموشی اختیار کریں۔ ۴) جب گواہی دیں تو سچّی گواہی دیں۔ ۵) جھوٹ بولنے سے پرہیز کریں۔ ۶) کسی کو طعنہ نہ دیں۔ ۷) کسی پر تہمت نہ لگائیں۔ ۸) آواز کو پست رَکھیں۔ قرآن حکیم میں ہے کہ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی کہ ''اپنی آواز کو نیچی رکھنا کیونکہ سب آوازوں سے ناپسندیدہ آواز گدھے کی ہے'' (لقمان ۳۱، آیت ۱۹)۔ ۹) کسی کو پیشے کی بنا پر تحقیر سے نہ بلائیں۔ تمام انسان اللہ تعالیٰ کے نزدیک بنیادی حقوق کے لحاظ سے مساوی ہیں۔ ۱۰) فرقہ وارانہ بات نہ کریں۔ ۱۱) سیاسی اور مذہبی اختلافات کو اپنی بحث میں نہ لائیں۔ سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جو شخص بحث سے باز رہا باوجود اسکے کہ وہ حق پر ہے، اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت میں ایک درخت لگاتا ہے''۔

ہمارے معاشرے میں زبان کا استعمال بہت ہی غیر محتاط، غیر ذمہ دارانہ اور غیر مدبرانہ ہے۔ عوام الناس کو چھوڑ کر دو گروہ ایسے ہیں جنکے غلط اِظہارِ خیال نے معاشرے کو ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا ہے اور یہ سب گروہ اور پارٹیاں اپنے آپکو لسانی جنگ میں ملوث رکھتی ہیں۔ ایک تو دینی گروہ ہے اور دوسرا سیاسی۔ علماء کی اکثر تقریریں دوسرے فرقے پر کیچڑ اُچھالنے اور دوسروں کو زبان سے زِک پہنچانے سے بھری ہوتی ہیں۔ اس رویے نے قتل وغارت اور دہشت گردی کو جنم دیا ہے جسکی لپیٹ میں سارا ملک آ چکا ہے اور اَمن عامہ تباہ ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے، ''**وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ**'' (بقرہ ۲، آیت ۲۱۷) ترجمہ ''اور فتنہ قتل سے زیادہ مہلک ہے''۔ زبان کا غلط استعمال ہمارے معاشرے میں فی زمانہ ایک بہت بڑا فتنہ بن چکا ہے۔

خلیفہ ہارون رشید کے پاس ایک مبلّغ آیا اوراس نے بدتمیزی سے بات شروع کی تو ہارون رشید نے کہا کہ ذرا ٹھہرو اور کہنے لگے ''کہ تم سے بہتر انسان یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام، مجھ سے بدتر انسان یعنی فرعون کے پاس جانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام)! شائستگی سے بات کرنا'' اور ہارون رشید نے اسکی بات سننے سے انکار کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرمایا، ''**فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى** ۝'' (طٰہٰ ۲۰، آیت ۴۴) ترجمہ ''فرعون سے نرمی سے بات کرنا، شاید وہ نصیحت پکڑے یا ڈر جائے''۔

دوسرا گروہ جو اپنی زبان کو بڑا ہی غیر ذمہ دارانہ طریقے سے استعمال کرتا ہے، وہ سیاسی گروہ ہے۔ ایک دوسرے پر غیر شائستہ زبان سے کیچڑ اُچھالنے میں فخر محسوس کیا جاتا ہے۔ جھوٹے الزامات، تخریبی تنقید، عوام سے جھوٹے وعدے ان کا طریقہ زندگی ہے۔ جب یہ لوگ اقتدار میں آتے ہیں تو ان کی زبان اور ہاتھ تیز قینچی کی طرح اپنے مخالفین کے خلاف چلتے ہیں اور عوام کے ساتھ ان کی زبانیں سوائے جھوٹی تسلیاں دینے اور سبز باغ دکھانے کے اور کچھ نہیں کر پاتیں۔ ان کے اس رویہ نے پورے ملک کی انتظامیہ کو غیر معتبرانہ اور غیر ذمہ دارانہ بنادیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم بے شمار انتظامی مسائل اور معاشرتی مصیبتوں میں پھنس چکے ہیں اور ہمارے تمام مسائل حل ہونے کے بجائے گھمبیر تر ہوتے چلے جارہے ہیں۔

زبان کا صحیح اور خوبصورتی سے استعمال انسان کیلئے اتنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اس معاملہ میں خاص فضیلت عطا فرمائی ہے۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام بہترین بات کرنے والے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''مجھے دوسرے انبیاء کرام پر چھ (۶) واضح فضیلتیں عطا فرمائی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک فضیلت یہ ہے کہ میری بات مختصر اور جامع ہوتی ہے''۔ ہماری تفسیروں میں یہ جو آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بولنے میں ذرا لُکنت تھی، یہ بالکل غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ایک عام قاعدہ نبی کے انتخاب میں یہ رہا ہے کہ کسی نبی میں کوئی جسمانی نقص نہیں ہوتا تھا ورنہ اسکی قوم کو اسکو جھٹلانے کا ایک بہانہ مل جاتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو میں صرف یہ فرق تھا کہ وہ اتنے فصیح نہیں تھے جتنے حضرت ہارون علیہ السلام۔ وہ فصاحت میں چونکہ ذرا کم

تھے اور اپنے بڑے بھائی کی زبان کی بلاغت وفصاحت سے متاثر تھے، اسلئے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنے وزیر کے طور پر مانگا۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے، ''وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْ اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یُّکَذِّبُوْنِ ○'' (القصص ۲۸، آیت ۳۴) ترجمہ ''اور ہارون علیہ السلام جو میرا بھائی ہے، اسکی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے تو اسکو میرا مددگار بنا کر بھیج دیجئے کہ میری تصدیق کرے۔ مجھے خوف ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب کریں گے''۔

قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق فرمایا، ''وَکَذٰلِکَ مَکَّنَّا لِیُوْسُفَ فِیْ الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ'' (یوسف ۱۲، آیت ۲۱) ترجمہ ''ہم نے اس طرح یوسف علیہ السلام کو ملک یعنی مصر میں ٹھکانہ دیا تا کہ ہم اسکو فن گفتگو کی تربیت دیں''۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر (یعنی وزیر اعظم) کے گھر میں رہنے کا موقع پیدا فرمایا۔ چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ کے علم میں مصر کا حکمران بننا لکھا ہوا تھا، اسلئے ان کے لیے یہ تربیت بہت ہی لازمی تھی کیونکہ وہ بذاتِ خود ایک قبائلی زندگی میں رَہ کر آئے تھے۔ اس سے بھی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حکمران کے لیے گفتگو کتنا اہم آلہ ہے جس سے یا تو وہ ملک میں کوئی یکدم حادثہ پیدا کر سکتا ہے یا وہ بڑے بڑے حادثوں کا حل اپنے فن گفتگو سے نکال لیتا ہے۔

اس حدیث شریف میں جسم کے جس دوسرے حصے کا ذکر کیا گیا ہے، وہ ہاتھ ہیں۔ انسان کے تمام اعمال ہاتھوں اور پاؤں سے سرزد ہوتے ہیں۔ ہر عمل دَراصل ہاتھوں سے ہی سرزد ہوتا ہے اور پاؤں اسکے معاون ہوتے ہیں۔ اسلئے قرآن مجید اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عمل سے منسوب ہاتھوں کو ہی کیا گیا ہے۔ ہاتھ بھی زبان کی طرح یا تو اپنے بھائی کیلئے موجب خیر بن سکتے ہیں یا باعث مصیبت۔ اپنے بھائی کیلئے کوئی خیر کا کام اپنے ہاتھوں سے کر دینا بہت ہی اَجر رَکھتا ہے۔

ہاتھوں سے سلامتی کا مطلب یہ ہے کہ انسان بنفس نفیس دوسرے کے لیے خیر کے کاموں میں حصہ لے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''بہترین ایمان یہ ہے کہ تم جو بُرائی دیکھو، اس کو اپنے ہاتھ سے روکو۔ نہیں تو زبان سے روکو۔ نہیں تو دِل سے بُرا جانو اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''ایمان

کے ستر (۷۰) سے اوپر درجے ہیں۔ اعلیٰ ترین درجہ کلمہ طیبہ کا دِل اور زبان سے اقرار ہے اور آخری درجہ تکلیف دینے والی چیز (مثلاً اینٹ، پتھر اور کانٹے وغیرہ) کو راستے سے ہٹا دینا ہے'' (ابوداؤد، حدیث ۱۲۵۱)۔

کسی کو تھپڑ رسید کریں تو آپ دوسرے کیلئے زحمت بن جاتے ہیں اور تھپڑ مارنے والے کو اگر اپنے ہاتھوں سے روک دیں تو آپ دونوں کیلئے سلامتی بن جاتے ہیں۔ غصہ پر قابو رَکھنا اور دَرگزر سے کام لینا اور اپنے ہاتھوں کو روکے رَکھنا بہت سے معاشرتی جھگڑوں سے نجات کا باعث بنتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''مظلوم اور ظالم کی مدد کرو''۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! مظلوم کی مدد کرنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن ظالم کی مدد کیسے کریں؟''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اپنے ہاتھوں سے ظالم کے ہاتھوں کو روکو''۔

انہی ہاتھوں سے ہم صدقہ وخیرات کر کے نیکی کما سکتے ہیں اور انہی ہاتھوں سے چوری اور قتل کر کے جہنم کما سکتے ہیں، فیصلہ خود ہمارے اختیار میں ہے۔

ہاتھ سے مطلب اقتدار بھی لیا جاتا ہے۔ جب انسان برسر اقتدار ہوتا ہے، اس وقت اس کے ہاتھ عام طور پر ظلم کیلئے اُٹھتے ہیں لیکن اگر خوفِ خدا ہو تو یہی ہاتھ عوام الناس کیلئے رحمت کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ ''قیامت میں جب عرش کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا تو عادل سلطان کو عرش کے سائے میں جگہ دی جائے گی'' (ترمذی، حدیث ۲۲۰۷)

ہمارے ہاں صاحب اقتدار کے ہاتھ ہمیشہ ظلم کیلئے اُٹھتے ہیں۔ وہ ایک طرف اپنے حریفوں پر ظلم کرتا ہے اور دوسری طرف عوام کے مسائل سے بے اعتنائی برت کر ظلم کرتا ہے۔ حضرت قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ایسی طرزِ حکومت سے ملک میں ایک معاشرتی ظالمانہ نظام چل نکلا ہے جس کے نتائج ہر آدمی دیکھ رَہا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے غضب میں ہر طرف سے گھرے ہوئے ہیں۔ ایک حدیث شریف میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یمن کی طرف گورنر بنا کر بھیجا گیا تو فرمایا کہ ''ستم رسیدہ (مظلوم) کی بددُعا سے بچنا کیونکہ اس کے اور اللہ رَب العزت کے درمیان کوئی آڑ

نہیں''۔(مشکوٰۃ المصابیح، باب کتاب الزکوٰۃ)

اگر ہم نے اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچنا ہے تو ہمیں اپنی زبان اور اپنے ہاتھ اللہ تعالیٰ کے خوف کو سامنے رَکھ کر استعمال کرنے چاہییں۔

ہمیں چاہیے کہ ہم جرأت سے ظالم کے ہاتھ روکیں خواہ وہ عوام الناس میں سے ہو یا صاحب اقتدار ہو۔ جب صاحب اقتدار ظلم کرتا ہے تو پھر تو اسکے خلاف ہمیں ضرور آواز اُٹھانی چاہیے کیونکہ اسکا تھوڑا سا ظلم بھی معاشرے پر بہت گہرا اَثر چھوڑتا ہے۔

ہمیں جہاں بھی موقع ملے، مستحق افراد کی اپنی استعداد کے مطابق مدد کرتے رہنا چاہیے۔

اس ملک میں جو اِسلام کے نام پر بنا اور اِسلامی جمہوریہ کہلاتا ہے، ایک ظالمانہ نظامِ معیشت اور غیر عادلانہ معاشرتی نظام چل رہے ہیں۔ جس قدر ہو سکے، ہمیں مظلوم کا ساتھ دینا چاہیے اور ظالم کا ہاتھ روکنا چاہیے۔

اگر ہم میں سے اکثریت آپس میں ایک دوسرے کیلئے محبت کے جذبات رَکھتی ہو تو یہ اکثریت اپنے قول اور فعل سے ایک ایسے معاشرے کو جنم دے گی جس میں اتحاد اور یگانگت نمایاں ہو جائیں گے۔ یہ محبت، اتحاد اور یگانگت جن کی بنیاد اس حدیث پر ہو گی، اللہ تعالیٰ کی رَحمت اور مدد کو دعوت دے گی پھر ہم ایک ایسی مضبوط قوم بن کر اُبھر سکیں گے جسکا حامی و مددگار اللہ تعالیٰ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کس کی مدد زیادہ طاقتور ہو سکتی ہے۔

''وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝''(المائدہ ۵، آیت ۵۶) ترجمہ ''اور جو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور مومنین کا دوست بنے گا تو اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب رہے گی''۔

۝.....۝.....۝

حدیث ۳: عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ؟ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَءُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ۔ (تفہیم البخاری، جلد اوّل، حدیث ۱۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا کہ، ''اعلیٰ اِسلام کسے کہتے ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''(اعلیٰ اِسلام یہ ہے) کہ تو (دوسروں) کو کھانا کھلائے اور ہر ایک کو سلام کرے خواہ تو اسے جانتا ہے یا نہیں جانتا''۔

نوٹ: اِن دو باتوں کا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بہترین اِسلام فرمایا ہے۔

کسی کو کھانا کھلانے سے محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں جس سے بھائی چارہ اور سلامتی کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ معاف کرنے اور دَرگزر کرنے کا جذبہ اُبھرتا ہے۔

اگر کسی کو متوقع موقع پر کھانا نہیں کھلایا جاتا تو غصہ کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ ایک گاؤں میں گئے تو ان سے کھانا طلب فرمایا۔ گاؤں والوں نے انکار کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بات کو پسند نہ فرمایا۔ جب حضرت خضر علیہ السلام نے دیوار کو سیدھا فرما دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ نے اس کام کی اُجرت گاؤں والوں سے کیوں نہ لی۔ (الکہف ۱۸، آیت ۷۷)

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک صحابی (حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کچھ ساتھیوں کے ساتھ سفر میں تھے۔ رات کو ایک گاؤں کے قریب ٹھہرے تو گاؤں والوں نے انکو کھانا دینے سے انکار کر دیا۔ پھر کچھ دیر کے بعد گاؤں کا ایک آدمی آیا، کہنے لگا کہ ہمارے سردار کو سانپ نے کاٹا ہے، آپ میں کوئی دَم کرنے والا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہاں ہے لیکن اسکی ہم اُجرت لیں گے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۂ فاتحہ سے دَم کیا تو وہ سردار اچھا ہو گیا اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے تیس بکریاں اُجرت لی۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ

السلام نے بھی اس بات کو ناپسند فرمایا جب انکے پاس انسانوں کی شکل میں دو فرشتے آئے اور آپ علیہ السلام کی دعوت کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا۔ آپ علیہ السلام نے دَراصل ان فرشتوں کو پہچانا نہیں تھا لیکن جب فرشتوں نے کہا کہ ہم تو فرشتے ہیں تو پھر آپ علیہ السلام کا خوف (اور غصہ) جاتا رہا۔ (ھود ۱۱، آیت ۶۹، ۷۰)

کھانا کھلانے سے محبت کے جذبات اُبھرتے ہیں۔ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آیا۔ عرض کرنے لگا، ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میں روزے سے ہوں۔ ایک آدمی مجھے دعوت پر مجبور کر رَہا ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اپنا روزہ (نفلی) توڑ دو اور اپنے بھائی کی دعوت قبول کرو''۔

مجھے اپنے بچپنے کا ایک واقعہ یاد ہے۔ میں گاؤں کے پرائمری سکول میں زیرِ تعلیم تھا۔ ہمارے ایک اُستادِ محترم دوسرے گاؤں سے آتے تھے۔ ایک دِن وہ اپنا چشمہ بھول آئے۔ انہوں نے مجھے اور جمیل کو چشمہ لانے کیلئے اپنے گھر بھیجا۔ انکی اہلیہ نے باوجود ہمارے انکار کے ہمیں کھلائے پلائے بغیر واپس رُخصت نہیں کیا۔ اس واقعہ نے مجھ پر ایسا اَثر چھوڑا کہ میری ساری تعلیم کے دوران سب سے زیادہ محبت اور عزت اس اُستادِ محترم سے رہی۔

یہ تو معاشیات کی انفرادی مثالیں ہیں۔ معاشیات کا ایک اجتماعی پہلو بھی ہے۔ اجتماعی پہلو صدقہ جاریہ بن جاتا ہے۔ اگر آپ ایک ووکیشنل سکول کھول دیں تو اس میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد انسان ساری عمر کے لیے روزگار کمانے کا اہل بن جاتا ہے۔ اسی طرح کسی کو چھوٹا بڑا کاروبار شروع کرنے میں مدد دیں تو وہ بھی آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہو جائے گا۔ چند مخیّر حضرات مل کر اگر ایک بستی یا محلے کیلئے ایک بڑا کارخانہ لگا دیں جس میں غرباء کے بچے تنخواہ پر کام بھی کریں اور حصہ دار بھی بنیں تو یہ ایک بہترین قومی خدمت ہوگی۔ غربت کا مسئلہ حل کرنے کیلئے یہ ایک بہترین قدم ہے۔

زکوٰۃ اور صدقات کا نظام اِسلام میں بہترین معاشی نظام کی بنیاد ڈالتا ہے۔ غریب کو کھانا کھلانے میں اللہ تعالیٰ نے بڑا اَجر رکھا ہے۔ ''اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝'' (آلِ عمران ۳، آیت ۱۳۴) ترجمہ ''جو فراخی میں اور تنگی

میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ کے ضبط کرنے والے اور لوگوں سے دَرگزر کرنے والے ہیں۔اللہ تعالیٰ ایسے اچھے کام کرنے والوں سے محبت رَکھتا ہے''۔

کھلانے پلانے سے معاشیات میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ اقتصادیات کے اصول کے مطابق مال کو روک رَکھنا معاشی ترقی کو روک دیتا ہے اور مال کے خرچ کرنے سے جسکا بہترین مصرف غرباء ہیں، معاشیات کو ایک زندگی ملتی ہے۔

روایت ہے حضرت حارث بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ''صدقہ کرو۔تم پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ایک شخص اپنا صدقہ لے کر نکلے گا تو کوئی اسکا قبول کرنے والا نہ ملے گا۔آدمی کہے گا کہ اگر تم کل آتے تو میں لے لیتا، آج مجھے اسکی ضرورت نہیں ہے'' (مشکوٰۃ المصابیح، باب سخاوت اور بخل کا بیان)۔پھر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ایسا زمانہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دَورِ حکومت میں دیکھا کہ لوگ زکوۃ لے کر آتے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے، ''حکومت کو اب تمہاری زکوۃ کی ضرورت نہیں۔تم جہاں مناسب سمجھو، اسکو خرچ کردو''۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، اے انسان! تو خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا''۔(مشکوٰۃ المصابیح باب سخاوت اور بخل کا بیان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہ ''کیا میں تمہیں بدترین انسان کی خبر نہ دوں؟'' عرض کیا گیا ''جی ہاں''۔تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''وہ انسان جس سے اللہ تعالیٰ کے نام پر مانگا گیا اور اس نے نہ دیا''۔(مشکوٰۃ المصابیح، باب سخاوت اور بخل کا بیان)

مال کو روکنے سے معاشی ترقی رُکتی ہے۔ مال کو متحرک رَکھنے سے معاشیات میں جان آتی ہے۔ یہ اصول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس حدیث شریف سے واضح ہوتا ہے۔حضرت عقبہ ابن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیچھے مدینہ طیبہ میں نمازِ عصر پڑھی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سلام پھیرا پھر تیزی سے کھڑے ہوئے اور فوراً گھر گئے۔لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس طرح کی غیر معمولی جلدی سے گھبرا گئے۔ جب واپس تشریف لائے تو آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''میرے پاس سونے کا ایک پترا تھا جو ابھی تک گھر میں پڑا تھا۔ میں اسکے تقسیم کر دینے کا حکم دے کر آیا ہوں۔ میں نے یہ ناپسند کیا کہ وہ رات آنے تک میرے گھر میں یونہی پڑا رہے''۔ (مشکوٰۃ المصابیح، باب سخاوت اور بخل کے بیان میں، حدیث ۱۷۸۹)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''صدقہ میں جلدی کرو، بلا اس سے آگے نہیں بڑھتی'' اور فرمایا کہ ''خیرات مال کو کم نہیں کرتی''۔ (مشکوٰۃ المصابیح، صدقہ کی فضیلت)

کھلانا پلانا ایک عظیم عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک زانیہ عورت کی اس وجہ سے مغفرت فرما دی کہ اس نے ایک کتے کو دیکھا کہ وہ پیاس سے ہانپ رہا ہے تو اپنا موزہ اُتارا اور کنویں سے پانی نکالا اور اسکو پلایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''ہر تر کلیجے والے کو کھلانے پلانے میں ثواب ہے''۔ اسی طرح ایک عورت کو عذاب دیا گیا جس نے ایک بلی پال رکھی تھی لیکن اسکو نہ تو خود کھلاتی تھی اور نہ اسکو آزاد چھوڑتی تھی کہ وہ کیڑے مکوڑے کھا کر اپنا پیٹ بھر لے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، باب صدقہ کی فضیلت)

اگر اللہ تعالیٰ کسی حیوان کے ساتھ نیکی کی قدر کرتا ہے اور اسکے ساتھ بُرائی سے انسان کو عذاب دیتا ہے تو انسان جب انسان کے ساتھ معاملہ کرے گا تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی ذات اس کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کیسے نہیں فرمائے گی۔ اس میں ہمارے لیے بہت بڑا سبق اور عبرت ہے۔

لیکن کھلانے پلانے میں اللہ تعالیٰ کی حدود کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ مال حلال طریقے سے کمایا گیا ہو اور صحیح طریقے اور صحیح جگہ پر خرچ کیا جائے۔ اگر ہم خلوصِ نیّت سے غرباء کو معاشی مدد دیتے رہیں کہ کوئی بھوکا نہ سوئے تو ہمیں باہر سے مالی امداد لینے کی ضرورت نہیں رہے گی کیونکہ داخلی اقتصادیات کی ترقی سے تمام تر قیاتی منصوبے اپنے ہی وسائل سے مکمل ہو سکتے ہیں۔ ''**اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝**'' (بقرہ ۲، آیت ۲۷۴) ترجمہ ''جو لوگ اپنے مال شب و روز کھلے اور چھپے خرچ کرتے ہیں، ان کا اَجر ان کے رَب کے پاس موجود ہے اور ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی غم''۔

دوسرا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر ایک کو سلام کرنے کا دیا ہے۔ سلام

کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ دوسرے پر سلامتی بھیج رہے ہیں۔ وہ جواباً آپ پر سلامتی بھیجتا ہے۔ اس طرح دونوں طرف پیار و محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اس پیار و محبت سے بہت سے جھگڑے خود بخود مٹ جاتے ہیں اور مجموعی طور پر معاشرے میں اَمن کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اَمن کو پسند فرماتا ہے اور فساد کو سخت ناپسند۔ ''**وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ○**'' (البقرہ ۲، آیت ۲۰۵) ترجمہ ''اور اللہ تعالیٰ فساد کو ہرگز پسند نہیں فرماتا''

کسی پر سلام بھیجنا بہت بڑی نیکی ہے اور کسی سے سلام حاصل کرنا بہت بڑی سعادت ہے۔ قیامت کے دِن جب اللہ تعالیٰ مومنین سے ملنا پسند فرمائے گا تو اللہ تعالیٰ اُنکا استقبال سلام سے فرمائے گا۔ ''**تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ'' وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ○**'' (الاحزاب ۳۳، آیت ۴۳) ترجمہ ''جس روز وہ اللہ تعالیٰ سے ملیں گے، اُن کا استقبال سلام سے ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے''۔ جنت میں جنتیوں کی دُعا یہ ہوگی، ''**دَعْوٰهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ'' وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○**'' (یونس ۱۰، آیت ۱۰) ترجمہ ''ہاں اُنکی صدا یہ ہوگی کہ خدایا! پاک ہے تیری ذات۔ ان کا تحیۃ ہوگا ''سلام'' اور اُن کی تان ٹوٹے گی اس پر کہ ساری تعریف اللہ رَب العالمین ہی کے لیے ہے''۔

مؤطّا امام محمد میں ہے کہ طفیل بن ابی کعب رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اکثر بازار جایا کرتے تھے اور وہ صرف اِسلئے جاتے تھے کہ لوگوں کو سلام فرماتے جائیں اور جو بھی اُنکے راستے میں آتا تھا، وہ سب کو سلام فرماتے تھے اور کوئی خرید وفروخت نہیں فرماتے تھے۔ (مؤطّا امام محمد، حدیث نمبر ۹۰۸)

سلام کی خوبی یہ ہے کہ جب تم سلام کرو تو ایسا کہو، ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ'' یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنّت ہے۔

دُنیا اور آخرت میں فرد اور قوم کی کامیابی کے یہ دو بہترین اصول ہیں جو ہمیں دئے گئے ہیں۔

میں (۵۸-۱۹۵۶ء) ایف سی کالج لاہور میں زیرِ تعلیم تھا۔ وہاں مسلم اور غیر مسلم ہمارے اُستاد تھے۔ ان کا یہ معمول تھا کہ وہ سب کو سلام کرتے تھے۔ ہمیں بھی سلام کرنے کی تربیت مل گئی۔ Good Morning ''گڈ مارننگ'' Good Evening

''گڈ ایوننگ'' کہا کرتے تھے۔ جب ۱۹۵۹ء میں مزید تعلیم کیلئے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا تو میری یہ عادت برقرار رَہی لیکن میں اِسلامی طرز پر ''السلام علیکم'' کہہ کر سلام کرتا تھا۔ میں نے یہ نوٹ کیا کہ گورنمنٹ کالج لاہور میں جہاں تقریباً سب ہی مسلمان اُستاد ہیں، کسی کو سلام کرنے کی عادت نہیں تھی۔ سلام کرنے کی میری یہ عادت آج تک برقرار ہے اور میں سوچتا ہوں کہ مسلمان آج کل اپنا اِسلام غیر مسلم سے سیکھتا ہے۔

۷۸-۱۹۷۴ء میں میں لیبیا میں ملازمت کرتا تھا۔ انکا سلام کرنے کا طریقہ یہ تھا

''صَبَاحَ الْخَیْر (Good Morning)، مَسَآءَ الْخَیْر (Good Evening)''

یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے لیکن یہ بہت سے عرب ممالک میں چل نکلا ہے۔ یہ غیر اِسلامی، ادنیٰ اور محدود ہے۔ یہ انگریزی کے سلام کا ترجمہ ہے جبکہ ''السلام علیکم'' اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سکھایا ہوا ہے جس میں بے شمار برکات ہیں اور یہ سلامتی بھیجنے کا بہترین طریقہ ہے۔ یہ اپنے معنی میں بہت وسعت رَکھتا ہے۔ جنت میں جنتیوں کا سلام بھی یہی ہوگا۔ ہمیں اسی طریقہ کو رائج کرنا چاہیے اور اس پر قائم رہنا چاہیے۔ ہمیں چاہیے کہ دوسری قوموں کا کلچر اپنانے کے بجائے اپنے کلچر کو فروغ دیں جسکی کڑی اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جا ملتی ہے۔ ہماری زندگی کا یہ افسوسناک پہلو ہے کہ آج ہم غیر مسلموں کے کئی اور طریقوں کو بھی پسند کرتے ہیں مثلاً لباس، کھانے کا طریقہ، سالگرہ اور برسی منانا، کیک کاٹنا، شادی کی سالگرہ کو منانا وغیرہ وغیرہ۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہم قرآن مجید اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طریقہ کو چھوڑتے چلے جا رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دوسری قوموں سے مشابہت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اگر ہم زندہ و جاوید قوم بننا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے کلچر کو مضبوطی سے پکڑنا ہوگا۔ اس کلچر کی جڑیں تو عرش کے ساتھ ملتی ہیں جبکہ کسی اور کلچر کی جڑیں ابلیس سے جا ملتی ہیں۔ کیا آپ نے نہیں پڑھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے، ''اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ '' (آلِ عمران ۳، آیت ۱۹) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین تو صرف دین اِسلام ہے''۔

○.....○.....○

حدیث ۴: عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ۔ (تفہیم البخاری، جلد اوّل، حدیث ۱۲)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کیلئے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے''۔

نوٹ: آج کل ہماری حالت اس حدیث کے بالکل برعکس ہے۔ خود پسندی غالب آ چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ کروایا تو ابلیس جو کہ جنّات میں سے تھا، اپنی خود پسندی سے انکار کر بیٹھا۔ اس نے تکبّر کیا اور اپنی ساری عمر کی کمائی ہوئی نیکیوں سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ حدیث میں ہے کہ ''تکبّر نیکیوں کو کھا جاتا ہے''۔ ایک دوسری حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' کبریائی میری چادر ہے، عظمت میری تہبند ہے۔ جو شخص ان میں سے میری ایک شے بھی چھینے گا، میں اسے دوزخ میں ڈالوں گا''۔ (سنن ابن ماجہ، جلد دوم، حدیث ۱۹۷۷)

خود پسندی تکبّر کو جنم دیتی ہے اور تکبّر خود پسندی کو جنم دیتا ہے۔ اس حدیث میں تکبّر کا علاج بتا دیا گیا ہے۔ اگر ہر موقع پر ہم اپنے بھائی کیلئے وہی پسند کریں جو اپنے لیے پسند کرتے ہیں تو تکبّر آہستہ آہستہ دِل سے نکل جائے گا اور ایمان داخل ہوتا چلا جائے گا۔ پھر ایمان کے کئی درجات ہیں۔ ایمان بڑھتا گھٹتا رہتا ہے۔ ریاضت اور مشقت سے اِسکے معیار کو بلند سے بلند تر بھی کیا جا سکتا ہے۔ اگر ہم اپنے بھائی کے ساتھ برابری سے بڑھ کر احسان کا رویہ رکھیں گے تو ایمان کی کیفیت بلند ہو جائے گی حتی کہ آپ ایمان کے اُس درجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں آپ اپنے بھائی کیلئے جان کی قربانی دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

وی آئی پی (VIP) کلچر ہمارے ملک میں ایک بہت بڑی اخلاقی بیماری ہے۔ یہ تکبّر کا واضح مظہر ہے۔ وی آئی پی (VIP) اپنے لیے کچھ پسند کرتا ہے اور اپنے بھائی کے

لیے کچھ اَور پسند کرتا ہے۔ یہ ایک اچھوت کی بیماری ہے جو اقتدار کے ایوانوں سے لے کر مساجد کے ممبروں تک پھیلی ہوئی ہے۔ ایمان نہ وہاں ہے اور نہ یہاں ہے۔ اس بیماری کی وجہ سے عوامُ الناس میں بے چینی، ذہنی انتشار اور احساسِ محرومی پیدا ہوتے ہیں جو بے شمار چھوٹے بڑے جرائم کے لیے پیش خیمہ بنتے ہیں اور اَمن عامہ کو تہہ و بالا کر دیتے ہیں۔ اس طرح بالآخر ایک ظالمانہ معاشرہ معرض وجود میں آ جاتا ہے۔ اس کا حل اس حدیث میں موجود ہے کہ اگر ہم ایک دوسرے کے حقوق تلف نہ کریں اور اپنے بھائی کو اس کے حقوق پورے پورے ادا کریں بلکہ آگے بڑھ کر اس سے احسان کا بدلہ رَکھیں تو معاشرہ میں ایک ایسا پُر اَمن ماحول پیدا ہو جاتا ہے جو کہ اتحادِ اُمت اور دفاعِ مملکت کا ضامن بن جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ تعالیٰ اس کام کو یعنی دین کو پورا فرمائے گا یہاں تک کہ ایک شخص مقامِ صنعا سے مقامِ حضرموت تک چلا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے خوف نہیں کھائے گا اور نہ ہی اپنی بکریوں کے متعلق بھیڑیوں سے ڈَرے گا'' (سنن ابو داؤد)۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ایسا زمانہ آیا اور گزر گیا۔ اب صورتحال بالکل اسکے برعکس ہے کیونکہ ہم ایمان کی نچلی ترین سطح پر آ چکے ہیں۔

ہمیں ہر موقع پر اس حدیث کو مدنظر رکھنا چاہیے تاکہ ہم اپنے بھائی کے پورے پورے حقوق ادا کر سکیں۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہم اپنے بھائی کیلئے وہی پسند کریں جو اپنے لیے پسند کرتے ہیں۔ اگر میں یہ نہیں پسند کرتا کہ کوئی میرا حق مارے تو دوسرا یہ کیسے پسند کرے گا کہ اسکا حق مارا جائے۔ ہمارے ہاں ایک دوسرے کا حق مارنا معمول بن گیا ہے۔ گھر سے لے کر محلے تک، محلے سے لے کر دفاتر اور مساجد تک ہم کہیں بھی دوسرے کے حقوق کا لحاظ نہیں کرتے۔ ''جسکی لاٹھی اسکی بھینس'' کا اصول چل رہا ہے۔ مساوات کا کوئی شعور ہم میں نہیں ہے۔ ہم اپنے گھروں میں بچوں کے ساتھ اور تمام عزیزوں کے ساتھ عدل نہیں کرتے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انکے والد محترم نے اپنے ایک بیٹے کو ایک غلام دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گواہ بنانے کیلئے حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا، ''کیا تم نے اپنے ہر بیٹے کو اسی طرح

ایک غلام دیا ہے؟'' تو عرض کیا ''جی نہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''پھر اسکو بھی واپس کرلو'' (ترمذی، جلداوّل، حدیث ۱۲۲۹)۔

وراثت کی عادلانہ تقسیم کا دَور تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ شاید ہی کوئی گھرانہ ایسا ہوگا جہاں کہ وراثت صحیح اِسلامی اصولوں کے مطابق تقسیم کی جاتی ہو۔

گھر سے باہر دفتروں میں جائیں تو شاید ہی کوئی ایسا شخص ہوگا جسکو اسکا حق ملتا ہے۔ سڑک پر نکلیں تو ہماری ڈرائیونگ میں کوئی اصول اور ضابطہ نہیں۔ راستہ کے حقوق سے ہم بالکل ناآشنا ہیں۔ سڑک سب کیلئے مساوی ہوتی ہے۔ یہاں بھی ہمارا رویہ ''جسکی لاٹھی اسکی بھینس'' کا ہے۔

آخر کیا بات ہے کہ ہم اتنے بے حس کیوں ہیں؟ کہ جو بات ہم خود اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں، وہی بات ہم دوسرے کے لیے کر رہے ہوتے ہیں۔ اس کی تین بڑی وجوہات ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ ہمارے نظامِ تعلیم میں قرآن حکیم اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم جو ہمیں حقوق کا شعور دلاتی ہے، شامل نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حکمران طبقہ کلیۃً جہاں بھی اس کو موقع ملتا ہے، دوسروں کے حقوق غصب کر لیتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جن کے حقوق غصب ہوتے ہیں، ان کی دَادرَسی کے لیے کوئی موثر نظام نہیں ہے۔ محکمہ عدل گو موجود ہے لیکن کئی وجوہات کی بنا پر اکثر عوام کو عدل نہیں مل رہا۔ ہمیں یاد رَکھنا چاہیے کہ وہ معاشرہ جس میں ظلم کثرت سے ہورَہا ہو، دوام اختیار نہیں کرسکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ اس قوم کو عذاب میں گرفتار کر دیتا ہے جو ظالم کا ہاتھ نہیں روکتا''۔ (سنن ابن ماجہ)

حکومت کا بنیادی فرض عوام کے حقوق کی حفاظت کرنا ہوتا ہے۔ اگر حکومت (حکمران اور حکومتی ادارے) خود ہی حقوق مارنے والی ہو تو پھر عوام الناس کا رَکھوالا کون ہو گا؟ یہ تو ایسے ہی ہے کہ اگر چرواہا خود ہی اپنی بھیڑوں کو ذبح کرتا چلا جائے تو انکی حفاظت کون کرے گا۔ حکومت کا کام ہے کہ خود سیدھے راستے پر رہے اور دوسروں کو سیدھے راستے پر رَکھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں فرمایا کہ ''قوم کی مثال ایسی ہے کہ ایک بحری جہاز ہے۔ اس میں کچھ لوگ اوپر ہیں اور کچھ نیچے۔ نیچے والے پانی پینے کیلئے اوپر جاتے ہیں۔ کچھ مدت کے بعد وہ آپس میں مشورہ کرتے ہیں کہ پانی تو

ہمارے اِردگرد سمندر میں موجود ہے تو کیوں نہ ہم جہاز میں سوراخ کر کے پانی لے لیا کریں۔اس موقع پر اگر اوپر والے نیچے والوں کا ہاتھ نہیں پکڑیں گے تو نیچے والے خود بھی ڈوب جائیں گے اور اوپر والوں کو بھی غرق کر دیں گے''۔(سنن ابی داوٗد)

ہمارے حکمرانوں کا یہ طریقہ کہ اوروں کیلئے کچھ اَور، اپنے لیے کچھ اَور جب تک درست نہیں ہوگا تو ظالمانہ نظام ہی چلتا رہے گا۔ہم روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ جب بڑا وی آئی پی (VIP) باہر نکلتا ہے تو اس کیلئے ٹریفک روک کر سینکڑوں لوگوں کو مصیبت میں ڈال دیا جاتا ہے جس میں بوڑھی عورتیں اور بچے اور بیمار لوگ اور ایمرجنسی پر کام کرنے والے سب کافی دیر تک رُکے رہتے ہیں۔اگر اس بڑے وی آئی پی (VIP) کو عوام الناس میں کھڑا کر دیا جائے اور پھر اسکو رُکنا پڑے تو اس کے دِل پر کیا گزرے گی۔ ہمارے اس رویے نے جو کہ سراسر متکبّرانہ اور غیر عادلانہ ہے، ہمیں بڑے بڑے مسائل سے دوچار کر رَکھا ہے۔اسکا ایک نتیجہ تو ہم واضح طور پر دیکھ چکے ہیں کہ مشرقی پاکستان کا علیحدہ ہونا حکمرانوں کی اسی رَوِش کا نتیجہ تھا۔اتنے بڑے نقصان کے بعد بھی ہم نے اپنے آپکو درست نہیں کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگیوں میں سے مجھے کہیں بھی ایسا واقعہ نہیں ملا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم باہر نکلتے تھے تو لوگوں کو کوئی تکلیف ہوتی تھی۔ لمبے لمبے سفر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ فرمائے۔گھوڑوں پر، اونٹوں پر، خچروں پر لیکن کہیں بھی کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا کہ وہ ایک دوسرے کیلئے باعث مصیبت بنے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات صحیح وی آئی پی (VIP) تھی۔کائنات میں اگر اللہ تعالیٰ کے بعد کوئی دوسری ہستی وی آئی پی (VIP) ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عوام کے ساتھ ساتھ چلتے تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تربیت بھی انہی خطوط پر ہوئی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کا واقعہ ہے جب وہ خلیفہ تھے کہ ایک عام مسلمان کا پاؤں ایک نومسلم قبائلی سردار کے لمبے چوغے پر آ گیا جب وہ پیدل طواف کر رہے تھے۔سردار نے بدو کو ایک تھپڑ رسید کیا۔بدو نے بھی قصاص میں اسکو ایک تھپڑ رسید کر دیا۔اس سردار نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کی کہ ایک عام بدو نے میری

بے عزتی کی ہے، اسکی سرزنش کی جائے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس نے قصاص لے کر عدل سے کام لیا۔ اس سردار نے کہا کہ مجھے ایسے اِسلام کی ضرورت نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اِسلام کو تجھ جیسے آدمی کی ضرورت نہیں ہے اور وہ مرتد ہو کر بھاگ گیا۔

اگر ہمارے حکمران سڑک پر آ کر عوام کو تھپڑ رسید کرتے ہیں تو اِسلام اور ملک کو ایسے حکمرانوں کی ضرورت نہیں ہے۔

مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا ہے۔ یہ ۱۹۸۸ء کی بات ہے جبکہ میں انگلستان میں قیام پذیر تھا کرسمس کے دِنوں میں ملکہ برطانیہ اپنے رشتہ داروں کو کرسمس کے تحفے دینے کیلئے نکلی۔ وہ لندن سے باہر سفر کر رہی تھی کہ غروبِ آفتاب کے وقت اسکی گاڑی ایک چھوٹے سے گاؤں میں خراب ہوگئی۔ اسکے ساتھ محافظوں کی کوئی فوج ظفر موج نہیں تھی۔ اسکی کار میں تین آدمی تھے۔ ایک ڈرائیور، ایک ملکہ برطانیہ اور ایک اسکی ملازمہ۔ اس علاقے کا کوئی ایس پی، ڈی سی بھاگا بھاگا نہیں آیا، نہ ہی اس علاقے کے ایم پی نے آنے کی زحمت گوارا کی۔ نہ ہی اسکے اِردگرد خوشامدیوں کا کوئی مجمع لگا۔ نہ ہی یہ خبر اس وقت ٹیلیویژن پر آئی۔ پاس ہی ایک معمولی سا ہوٹل تھا۔ ڈرائیور ہوٹل کے مالک کے پاس گیا اور اس سے واقعہ بیان کیا اور بڑی ہی شائستگی سے اس بات کی اجازت طلب کی کہ آیا ملکہ برطانیہ آپکے ہوٹل میں رات گزار سکتی ہے۔ اس نے بخوشی اجازت دی تو تینوں افراد نے اس معمولی سے ہوٹل میں رات گزاری۔ دوسرے دِن ڈرائیور نے وہاں ہی کسی مکینک کو ڈھونڈا اور ملکہ برطانیہ کی گاڑی کو ٹھیک کروایا اور اسکو پورا پورا معاوضہ دے دیا گیا۔ ملکہ برطانیہ نے سب کا شکریہ ادا کیا اور اپنے سفر پر روانہ ہوگئی۔ یہ خبر ہمیں دوسرے دِن اس وقت پتہ چلی جب بی بی سی نے ہوٹل کے مالک کا انٹرویو نشر کیا۔

کیا آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ برطانیہ جو کبھی ایک طاقت تھی اور اب بھی ہے، اپنے مادّی وسائل کی وجہ سے انکو یہ مرتبہ نہیں ملا بلکہ یہ ان جیسے لیڈروں کی وجہ سے ملا ہے۔ وہ اپنے لیے وہی پسند کرتے ہیں جو دوسروں کیلئے پسند کرتے ہیں۔

اگر ہم نے ترقی کی منازل طے کرنی ہیں تو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس عظیم حدیث شریف کو سامنے رَکھ کر اپنے رویے کو بدلنا ہوگا۔

○.....○.....○

حدیث ۵: عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلِدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ (تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۱۴)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اُسے اُسکے والد، اُسکی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔

نوٹ: ''قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ'' (آلِ عمران ۳، آیت ۳۱) ترجمہ ''(اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) اعلان کردو کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کا محبوب بننا چاہتے ہو تو میری اطاعت کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا''۔

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''کُلُّھُمْ یَطْلُبُوْنَ رَضَائِیْ وَاَنَا اَطْلُبُ رِضَاکَ یَا مُحَمَّد'' (مواہب اللدنیہ) ترجمہ ''تمام انسان میری رضا ڈھونڈتے ہیں اور میں تیری رضا طلب کرتا ہوں اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)''، یعنی میں لوگوں سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ تیری اطاعت کرکے جب وہ تجھے راضی کرلیں گے تو وہ میری اطاعت ہوگی۔ ''مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ تَوَلّٰی فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْھِمْ حَفِیْظًا ○'' (النساء ۴، آیت ۸۰) ترجمہ ''جس نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کی، اُس نے دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جو رُوگردانی کرے گا تو جان لو کہ ہم نے تم کو انکا نگران بنا کر نہیں بھیجا''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا ثبوت عمل سے دینا ہوگا۔ محض زبانی اور جذباتی محبت صحیح محبت نہیں ہوتی۔ اگر ہم زبان سے کتنا ہی کہتے رہیں کہ فلاں شخص سے مجھے محبت ہے لیکن جب اُسکی اطاعت کا وقت آئے تو ہم اپنے آپکو اطاعت سے بچاتے چلے جائیں تو اُس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہم اُس شخص سے اصلی محبت نہیں رکھتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صراطِ مستقیم پر تھے۔ اگر ہم نے صراطِ مستقیم ڈھونڈنا ہے تو انہی کے راستے پر چلنا ہوگا۔ ''اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ○ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○'' (یس ۳۶، آیت ۳-۴) ترجمہ ''(اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) بلاشبہ

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رسولوں میں سے ہیں۔ سیدھے راستے پر ہیں''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرنے سے ہی ہم سیدھے راستے پر رَہ سکتے ہیں۔ اگر ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحتوں اور ہدایات پر عمل نہیں کیا تو ہم جزوی طور پر یا مکمل طور پر راستے سے بھٹک سکتے ہیں۔

صراطِ مستقیم ایک ہی ہوتا ہے۔ غلط راستے بہت ہوتے ہیں۔ صحیح راستہ وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اختیار فرمایا، دوسرے تمام راستے غلط ہیں خواہ وہ کتنے ہی بڑے لوگوں کے ایجاد کیے ہوئے ہوں۔

ہم اس وقت بے شمار مصائب میں گرفتار ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ چھوڑا ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید پر پوری طرح عمل فرما کر دکھایا تاکہ بعد میں آنے والے یہ بہانہ تلاش نہ کر سکیں کہ قرآن مجید کے بعض حصوں پر عمل کرنا ہمارے لیے بہت مشکل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنفس نفیس ایک ایک بات پر عمل فرما کر حالات کو بالکل واضح فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہمیں بتا دیا کہ زندگی بسر کرنے کا بہترین نمونہ تمہارے سامنے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہے۔ ''لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ○'' (الاحزاب ۳۳، آیت ۲۱) ترجمہ ''بے شک تمہارے لیے اللہ جل شانہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں بہترین نمونۂ عمل موجود ہے۔ اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دِن پر یقین رَکھتا ہے اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے''۔

محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات اور اُن کی پسند اور ناپسند کے مطابق بسر کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب عمل نماز تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے'' (مشکوۃ و سنن نسائی)۔ ہم نماز بھی نہ پڑھیں اور دعویٰ یہ کریں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہے تو ہمارا یہ دعویٰ بالکل جھوٹا ہے۔ اس وقت ایک فیصد سے زیادہ ہمارے معاشرہ میں نماز پڑھنے والے نہیں ہیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''تم میں سب سے بہتر اخلاق والا وہ ہے جو اپنے اہل کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھتا ہے۔ میں تم سب سے زیادہ اپنے اہل کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے والا ہوں''۔ ہماری اکثریت کا رویہ اپنے اہل کے ساتھ ترشی، سختی، مار پیٹ کا ہے اور ہم پھر بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت کرتے ہیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا میں ہوں''۔ ہمارا طریقہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے احکامات دھڑلے سے پامال کرتے جا رہے ہیں اور پھر بھی ہم سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ ہم یقیناً اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ساری زندگی میں نبوّت سے پہلے اور نبوّت کے بعد ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کبھی جھوٹ بولا ہو۔ ہم قدم قدم پر جھوٹ بولتے ہیں اور پھر بھی حبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دَم بھرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ساری زندگی کبھی جھوٹی شہادت نہیں دی۔ ہماری عدالتیں، ہمارے دفاتر جھوٹی شہادتوں سے لبریز ہیں۔ ہم پھر بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سادہ ترین زندگی بسر فرمائی۔ خوراک، لباس، رہائش انتہائی سادہ، ایسا جیسے صحرا کے ایک بدّو کا خیمہ ہوتا ہے۔ ہم آج کل رہائشی کالونیوں میں محلات نما گھر بناتے ہیں اور اس کی زینت میں حد درجہ اسراف کرتے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''جب بندے کے مال میں بے برکتی دی جاتی ہے تو وہ مال کو پانی اور مٹی میں لگا دیتا ہے'' (یعنی مکانات بنانے میں) (مشکوٰۃ المصابیح، حدیث ۴۹۷۶)۔ ایک اور حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''سارے خرچ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہیں سوائے عمارات کی تعمیر کے کہ ان میں بھلائی نہیں'' (مشکوٰۃ المصابیح، حدیث ۴۹۵۰)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سادگی کا یہ حال تھا کہ ہر گھر ایک کمرے پر مشتمل تھا۔ بچھونا کھجور کی چھال سے بھرے ہوئے ایک گدّے کا تھا اور خوراک تو کئی کئی دِن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو میسر نہیں آتی تھی۔

ہمارے اسراف کا تو یہ حال ہو گیا ہے کہ ہماری مسجدیں اسراف کا بدترین نمونہ بن چکی ہیں۔ ماربل، ٹائلیں، ایلومینیم، قالین یہ سب مسجد کو زینت دینے کیلئے بیجا پیسے کا خرچ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا کہ آخری زمانے میں لوگ مسجدوں کی بہت زیب وزینت کریں گے۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ مسجدیں تو نمازیوں سے بھری ہوئی ہوں گی لیکن ایک نمازی بھی خشوع والا نہیں ملے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد سادہ ترین عبادت گاہ تھی۔ گارے اور پتھروں سے دیواریں بنائی گئی تھیں۔ ستون کھجور کے تنے کے تھے۔ چھت کھجور کے پتوں کی تھی۔ فرش بالکل کچا تھا۔ بارش ہونے پر چھت اتنی ٹپکتی تھی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پیشانیاں کیچڑ سے تر ہو جاتی تھیں (سنن ابوداؤد) لیکن اسی مسجد میں اللہ جل شانہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک قوم اپنی تعلیم سے اور عمل سے ایسی تیار فرمائی جس نے رُبع صدی میں اس وقت کی دو عالمی طاقتوں (سپر پاورز) قیصر وکسریٰ کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ مسجد کا جتنا فنڈ ہوتا ہے، ہم مسجد کی تزئین کرنے میں خرچ کر دیتے ہیں اور تعلیم وتربیت جو کہ مسجد کا اَصل مقصد ہے، اسکو بالکل پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ ہم میں جہالت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اور اس وقت ہم ہر طرف سے ذلت آمیز سلوک کا سامنا کر رہے ہیں۔ ذرا غور کریں، کیا ہم صراطِ مستقیم پر ہیں؟ کیا ہم دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ ہم تو حقیقتاً اپنے نفس کے غلام بن چکے ہیں۔ مسجد ہو یا مسجد سے باہر، ہماری پرواز اپنے نفس سے زیادہ بلند نہیں ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاشرے میں ایک ایسا نظامِ عدل قائم فرمایا جس میں نہ تو رشتہ داری کا لحاظ تھا، نہ قبیلے کا، نہ ہی غربت اور اَمارت کا۔ صرف ایک ہی نقطہ نظر ہوتا تھا کہ ہر شہری کو اُسکا جو حق اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق بنتا ہے، وہ اسکو دیا جائے اور کوئی اپنے آپکو اتنا طاقتور نہ سمجھے کہ وہ کسی پر ظلم کر سکے اور نہ ہی کوئی اپنے آپکو اتنا کمزور سمجھے کہ اسکی دَادرَسی کرنے والا کوئی نہ ہو۔ چھوٹی چھوٹی باتوں سے لے کر بڑے بڑے فیصلوں تک میں ایک ہی نقطہ نظر تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نظامِ عدل کو قائم کیا جائے۔ یہ سبق غزوۂ بدر سے شروع ہوا جب باپ بیٹا، داماد سسر اور بھائی بھائی آمنے سامنے تھے اور

صرف یہی کوشش تھی کہ جان چلی جائے لیکن اللہ تعالیٰ کا نظامِ عدل نافذ ہو کر رَہے۔ اس جذبے میں آخری وقت تک خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اُمت میں کہیں سستی نہیں دیکھی گئی لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نے ہر سطح پر، ہر پہلو سے عدل کا ایسا تیا پانچا کیا ہوا ہے کہ کروڑوں کی آبادی میں شاید ہی کوئی ایک انسان ہوگا جسکو ساری عمر میں کسی ایک وقت بھی انصاف ملا ہو۔ عدل یہی نہیں ہے کہ آپکا ایک مقدمہ عدالت میں چلا گیا اور آپکا عدالت نے حق دلوا دیا۔ یہ حق بھی پوری طرح نہیں دلوایا جاتا اور اکثر مقدمات میں تو کسی کو حق ملتا ہی نہیں بلکہ عدل یہ ہے کہ شہری کو عدالت کے باہر ایک ایسا معاشرہ ملے جس میں روزمرہ کی زندگی کے بے شمار دھندوں میں ہر انسان کے حقوق کی ادائیگی ہوتی رہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب قرآن مجید اور سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم کے ساتھ ساتھ حکمران عدل کا دامن تھامے ہوئے ہو۔ یہاں تو حال یہ ہے کہ ہمارے اقتدار کے ایوانوں میں عدل نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ سو فیصدی غیر عادلانہ طرزِ حکومت ہے جس نے پورے معاشرے کو ایک ظالمانہ معاشرہ بنا دیا ہے۔ رشوت، اقربا پروری، سیاسی جماعتی ورکر کی کرپشن، قبیلے کی بنا پر اور دوستی کی بنا پر سفارشیں، ان سب کا اتنا زور وشور ہے کہ عام شہری عدل حاصل کرتے کرتے اپنی ساری زندگی کی پونجی کھو بیٹھتا ہے۔ کیا ہم ایک ایسا ظالمانہ نظام قائم کر کے جو کہ کرپشن سے اَٹا پڑا ہے، دعویٰ کر سکتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہم صحیح محبت رَکھتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پوری زندگی انتہائی ڈسپلن کا مظہر تھی۔ ڈسپلن معاشرے میں اَمن، حقوق کی ادائیگی اور اتحادِ اُمت کی بنیاد ڈالتا ہے۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دائیں جانب ایک دیہاتی بیٹھا تھا اور بائیں جانب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس ایک شخص دودھ کا پیالہ لے کر آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس میں سے کچھ نوش فرمایا اور پھر وہ پیالہ اپنے دائیں طرف بیٹھنے والے بدّو کو دے دیا اور فرمایا، ''دائیں والا تو دائیں والا ہی ہے'' (یعنی پہلے دائیں والے کا حق ہے پھر بائیں والے کا) اسکے بعد پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے بائیں طرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت فرمایا (سنن ابوداؤد)۔

یہاں ذرا غور کیجئے کہ اُمت کا بہترین انسان حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اُمت کا ایک عام انسان ایک دیہاتی بدّو اپنا اپنا حق لے رَہے ہیں۔ کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دی جارہی۔ ہمارا حال اسکے بالکل برعکس ہے۔ وی آئی پی کلچر نے ڈسپلن کا ایسا بیڑا غرق کیا ہوا ہے کہ ہر جگہ حقوق کی تلفی اور ہر جگہ انتشار نظر آتا ہے۔ اسکے باوجود ہم اپنے آپکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سچا اُمتی سمجھتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مال خرچ کرنے میں تیز ہوا کی طرح تھے۔ اپنے لیے گھر میں کچھ نہیں رَکھتے تھے۔ ریاست کے سربراہ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو کبھی بھی دوسروں پر ترجیح نہیں دی۔ خود بھوکا رہنا پسند فرماتے تھے لیکن لوگوں میں جو کچھ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آتا تھا، تقسیم فرما دیتے تھے۔ یہی تربیت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو دی گئی۔ اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ خلفائے راشدین اُمت کے غریب ترین آدمی کی سطح پر رَہ کر حکومت کرتے رَہے۔ مال کا جمع رَکھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم کی وجہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگی میں ہمیں کہیں نہیں ملتا۔ زکوٰۃ کا عمل اتنا وسیع ہوگیا تھا کہ گو عمالِ زکوٰۃ بھی موجود تھے لیکن لوگوں کی اکثریت خود زکوٰۃ لے کر حاضر ہوتی تھی۔ معاشرے میں مال کا اس طرح اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک معاشی حالت ایسی ہوگئی تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکومت کی طرف سے زکوٰۃ لینے کا عمل بند فرما دیا اور فرمایا کہ بیت المال اس وقت اتنا پُر ہے کہ ہمیں زکوٰۃ کی ضرورت نہیں۔ آپ انفرادی طور پر جس کو چاہیں، زکوٰۃ دے دیا کریں اور لوگ مدینہ منوّرہ میں زکوٰۃ لے کر نکلتے تھے تو کوئی زکوٰۃ لینے والا نہ ملتا تھا۔ ہماری حالت اسکے برعکس ہے۔ ہم اپنی دولت کو بے جا اُڑانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ بہت ہی کم لوگ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ حکومت کی طرف سے کوئی خاص مؤثر نظامِ زکوٰۃ موجود نہیں ہے۔ جو ہے، وہ بہت ہی نامکمل ہے اور جتنی زکوٰۃ وصول ہوتی ہے، اسکا اکثر حصہ حکومت خود ہی ہڑپ کر جاتی ہے۔ ہم فخر و نمود پر دولت صَرف کرنا باعث عزت سمجھتے ہیں۔ اس روش کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری عوام غربت میں پستی چلی جارہی ہے اور چند ایک افراد امیر سے امیر تر ہوتے جا رَہے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم کے بالکل برعکس ہے۔

ہم یہ سب کچھ کر رَہے ہیں اور پھر بھی کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت رَکھتے ہیں۔

ہماری حکومتوں نے جو علم اور حکمت سے بالکل بے بہرہ نظر آتی ہیں، اپنے غلط طرزِ حکومت سے معاشرے میں ایک ظالمانہ نظامِ معیشت کو فروغ دے رَکھا ہے۔ دولت کی منصفانہ تقسیم تب ہی ممکن ہے جب ہماری حکومتوں میں عدل کا شعور ہو، علم ہو اور حکمت ہو لیکن بدقسمتی سے ان باتوں کا کہیں دُور دُور تک وجود نظر نہیں آتا۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن مجید سیکھے اور سکھائے''، ''**عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ خَیْرُکُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ**''۔ (سنن ترمذی، باب فضائل قرآن)

حضرت حارث اعور رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد سے گزرا تو دیکھا کہ لوگ باتوں میں مشغول ہیں (یعنی عام باتوں میں)۔ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ ''اے امیر المومنینؓ! کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ لوگ باتوں میں مشغول ہیں (یعنی مسجد میں غیر ضروری باتوں میں مشغول ہیں)'' پوچھا، ''کیا واقعی ایسا ہے؟'' میں نے عرض کیا، ''جی ہاں'' تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، 'عنقریب ایک فتنہ آنے والا ہے'۔ میں (حضرت علیؓ) نے عرض کیا، 'اس سے بچنے کا کیا راستہ ہوگا؟'۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، 'اللہ کی کتاب قرآن مجید میں تم سے پچھلوں کے متعلق بھی ذکر ہے اور تمہارے بعد کا بھی نیز اس میں تمہارے درمیان ہونے والے معاملات کا بھی حکم ہے۔ یہی سیدھا سادہ فیصلہ ہے، یہ کوئی مذاق نہیں ہے۔ جس نے اسے (یعنی قرآن مجید کو) چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ اسے ٹکڑے ٹکڑے فرما دے گا اور جو شخص اسکے علاوہ کسی اور چیز میں ہدایت تلاش کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے گمراہ فرما دے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک مضبوط رسّی ہے اور یہی ذکر حکیم ہے اور یہی صراطِ مستقیم ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جسے خواہشاتِ نفسانی کج نہیں کر سکتیں، زبانیں اس میں ملتبس نہیں ہو سکتیں، علماء اس سے سیر نہیں ہو سکتے۔ یہ

کتاب بار بار دہرانے اور پڑھنے سے پرانی نہیں ہوتی۔اس کے عجائب کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔اسے سن کر جنات بھی کہہ اُٹھے تھے کہ ہم نے عجیب قرآن مجید سنا جو ہدایت کی راہ بتاتا ہے، ہم اس پر ایمان لائے۔جس نے اسکے مطابق بات کی، اس نے سچ کہا۔جس نے اس پر عمل کیا، اس نے اَجر پایا۔جس نے اسکے مطابق فیصلہ کیا، اس نے عدل کیا اور جس نے اسکی طرف لوگوں کو بلایا، اسے صراطِ مستقیم پر چلا دیا گیا'۔اے اعور (رضی اللہ تعالیٰ عنہ!) اس حدیث کو یاد کرلو'۔(سنن ترمذی، باب فضائل قرآن)

ان دو حدیثوں کی روشنی میں ہم اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لیتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کتنی محبت رَکھتے ہیں۔ہمارے مدارس میں قرآن مجید کا علم نہیں دیا جاتا بلکہ قرآن مجید کے الفاظ پڑھائے جاتے ہیں اور انکو بار بار سیدھا کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔کسی کتاب کا علم حاصل کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسکے مدّعا کو سمجھا جائے اور اس سے حکمت حاصل کی جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔اگر ہم عربی زبان نہیں جانتے تو قرآن مجید کے الفاظ صرف پڑھ لینے سے ہم اسکا معنی اور مدعا نہیں سمجھ سکتے۔جب ہم معنی ہی نہیں سمجھیں گے تو علم حاصل نہ ہوا۔اس پر عمل کرنا اور حکمت حاصل کرنا تو بعد کی بات ہے۔اس میں بھی سخت کوتاہی ہماری حکومتوں کی طرف سے ہے کہ کہیں بھی حکومت کی طرف سے یا مدرسوں کی طرف سے عربی زبان کی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام نہیں کیا گیا۔ مدرسوں کی سوچ یہ ہے کہ قرآن حکیم پڑھ لو، سمجھ آئے یا نہ آئے، ثواب مل جائے گا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ لوگ قرآن مجید کے الفاظ بہت سیدھے کریں گے لیکن قرآن مجید حَلق سے نیچے نہیں جائے گا (یعنی قرآن مجید پر غور نہیں کیا جائے گا) (ترمذی شریف) کیا یہ وہ زمانہ نہیں ہے۔سوچنا چاہیے کہ جب قرآن حکیم کی ہدایات ہم نہیں سمجھیں گے تو ہمیں ہدایت کیسے ملے گی؟ اسی کا نتیجہ تو ہے کہ ہمارا پورا معاشرتی نظام اور ملکی انتظامیہ عدل کے راستے سے کوسوں دُور ہے۔جو کچھ اقتدار کے ایوانوں میں عرصہ دراز سے ہو رہا ہے اور میرے اندازے کے مطابق عرصہ دراز تک ہوتا رہے گا، وہ آپ سب لوگوں کے سامنے ہے۔اگر ہمارے دِل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچّی محبت ہے تو ہمارے سکولوں، کالجوں اور مدرسوں میں عربی زبان گریجوایشن کی حد تک لازمی قرار دی جانی چاہیے۔

قرآن مجید کی تعلیم سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کے بغیر نامکمل رہتی ہے۔ اسکے لیے بھی عربی کا جاننا اعلیٰ معیار کے ساتھ ضروری ہے لہٰذا پورا دین اسی وقت سمجھ آئے گا جب ہم عربی زبان پر مہارت رکھتے ہوں گے۔

قرآن مجید اور سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنی زندگی کو زندہ رَکھنے کے لیے معاشیات کی تعلیم کا حاصل کرنا بھی بہت ضروری ہے۔ یہ دُنیاداری نہیں ہے جیسا ہمارے بعض لوگوں نے سمجھ رَکھا ہے۔ یہ بالکل دین ہے اور دین کا ایک لازمی حصہ ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''ایمان کے بعد زرق حلال افضل ہے'' (بیہقی فی شعب الایمان)۔ معاشیات کے بے شمار شعبے ہیں۔ دفاع بھی سو فیصدی معاشیات پر منحصر ہے۔ جنگ تبوک میں اُمت کے ہر فرد نے اپنی معاشی حالت کے مطابق جنگ کے اخراجات میں حصہ ڈالا۔ مشہور ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ اُمت کے امیر ترین انسان تھے، فوج کا تیسرا حصہ انکی کفالت میں دیا گیا۔ اگر ہم معاشیات کو نظر انداز کر دیں گے تو ہم اپنے دین کو قائم نہیں رَکھ سکتے۔ اس کے لیے جتنے بھی موجودہ علوم ہیں، ان پر دسترس حاصل کرنا انتہائی ضروری ہے۔ آج کل خاص طور پر اقتصادیات بہت ہی زیادہ اہمیت حاصل کر چکی ہے۔ جسکی اقتصادیات مضبوط ہے، اس کی سیاسیات اور دفاع مضبوط ہیں اور وہی سپر پاور بن جاتا ہے۔ یاد رہے کہ ہماری معاشیات اور اقتصادیات کی بنیاد بھی اگر قرآن مجید اور سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق نہیں ہوگی تو یہ ترقی شیطانی ترقی ہوگی۔ شیطانی اقتصادیات جسکا ایک حصہ سودی نظام ہے، ملک وقوم کیلئے زہر قاتل ہے۔ اس سے بنی نوع انسان کو ہرگز کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اس وقت جو بھی سپر پاورز ہماری نظر میں ہیں، وہ دراصل ابلیسی سپر پاورز ہیں۔ وہ اس لئے طاقتور ہو چکی ہیں کہ ہم نے قرآن مجید اور سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ رَکھا ہے۔ ہماری پسماندگی اسلئے ہے کہ ہمارے ایمان حد درجہ کمزور ہو چکے ہیں اور ہم نے نظامِ معیشت قرآن حکیم اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر استوار کرنے کے بجائے ان قوموں کے نظامِ اقتصادیات کو اپنایا ہوا ہے۔ ان قوموں نے جائز و ناجائز ذرائع معاش اختیار کر کے ظالمانہ طریقے سے دُنیا کی دولت کو سمیٹا ہوا ہے۔ یہ ظالمانہ طریقہ ایک بینکنگ اور دوسرا غیر قرآنی تجارت کے اصول ہیں۔ اگر ہم ہمت کر

کے اپنے نظامِ معاشیات کو قرآن حکیم اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصولوں پر آزادانہ طریقے سے چلائیں تو لازماً ہماری پوزیشن ان سے بالاتر ہو جائے گی۔

پاکستان کا قیام اور ریاست مدینہ کا قیام ایک ہی مقصد کیلئے تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نظام کو اس دُنیا پر رائج کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہجرت کے بعد سب سے پہلی بات جو مدینہ منورہ میں کی، وہ ریاست مدینہ طیبہ کی بنیاد رکھنا اور اسکے سیاسی نظام پر توجہ فرمانا تھا۔ مدینہ طیبہ کے تقریباً تمام قبائل سے میثاقِ مدینہ کا عہد فرمایا۔ اسکے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیاست ساری زندگی اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے کیلئے رہی۔ اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے یہ نظام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال سے ایک سال قبل حجاز مقدس میں پوری طرح نافذ ہو چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے بعد خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی اَنتھک کاوشوں سے یہ نظام مزید طاقتور ہوا اور دُنیا میں پھیلتا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ تعالیٰ اس کام کو یعنی دین کو پورا کرے گا یہاں تک کہ ایک شخص مقامِ صنعا سے مقامِ حضرموت تک چلا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرے گا اور نہ ہی اپنی بکریوں کے متعلق بھیڑیوں سے ڈرے گا'' (سنن ابوداؤد)۔ یہ اشارہ تھا اس بات کا کہ یہ نظام جو میں لایا ہوں، جب یہ پوری طرح نافذ ہو چکا ہوگا تو عدل سارے خطے میں چھا جائے گا۔ وہ ہستیاں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس نظام کو اپنے خون پسینے سے سینچا، اللہ تعالیٰ کے راستے میں سچ پر ایسی ڈٹی رہیں کہ انہوں نے کسی اندرونی اور بیرونی دباؤ میں آ کر اپنی پاک اور صاف ستھری سیاست کو اور انتظامی مشینری کو مکدر نہیں ہونے دیا۔ دُنیا نے اس صادق الاصول سیاست کا ثمر کئی صدیوں تک چکھا۔

اسکے برعکس گو قیامِ پاکستان کی تاریخ مدینہ طیبہ کی ریاست کے قیام کی طرح درخشاں ہے لیکن بعد کے حالات ریاست مدینہ طیبہ سے بہت ہی مختلف رُخ اختیار کر گئے۔ اسکی بڑی وجہ یہ تھی کہ حضرت قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کے چلے جانے کے بعد ہماری سیاست ان لوگوں کے ہاتھوں میں آ گئی جو سچائی اور اصولوں کی دُنیا سے بالکل بے خبر تھے۔ انکو دیکھ کر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ حدیث بار بار یاد آ جاتی ہے:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، 'ایک شخص اپنی بکریوں میں تھا کہ دفعۃً بھیڑیے نے ایک بکری پر حملہ کر دیا۔ اسکے مالک نے بھیڑیے کا پیچھا کیا اور اس بکری کو چھڑا لیا۔ بھیڑیا بولا کہ اس دِن کون چھڑانے آئے گا جس دِن درندوں ہی کا راج ہوگا اور میرے سوا کوئی اسکا دوسرا چرواہا نہ ہوگا۔ یہ سن کر لوگوں نے کہا، 'سبحان اللہ، بھیڑیا اور باتیں کرے'۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ 'میں اس پر یقین رَکھتا ہوں اور ابوبکر اور عمر رضوان اللہ تعالیٰ عنہما بھی' حالانکہ وہ دونوں وہاں موجود نہیں تھے''۔ (ترجمان السنۃ (از محمد بدرِ عالم)، حدیث نمبر ۱۶۷۴)

ہمارے سیاسی لیڈر اس درجہ نااہل اور گمراہ ثابت ہوئے کہ نظامِ اِسلام کو نافذ کرنا تو درکنار، ملک کو کم سے کم درجہ کا عدل بھی نہ دے سکے۔ وہ آپس کی ایسی ریشہ دوانیوں، لڑائی جھگڑوں، نفسانفسی، جھوٹی عزت، مالی کرپشن، انتظامی بے ضابطگیوں میں ملوث ہوئے کہ ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کر کے رَکھ دیا۔ ابھی بھی وہی نفسانفسی چل رہی ہے اور اس سارے ٹولے میں ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا جو ملک کو صحیح سمت پر لے چلے۔ معاشرتی لحاظ سے ایک پورا ظالمانہ نظام برپا ہے۔ معاشی لحاظ سے ہم بالکل کنگال ہو چکے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ اگر ہم نے سچائی کا دامن نہ پکڑا اور اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کو سامنے رَکھ کر حکمرانی نہ کی تو ہمیں ایک بہت بڑے انقلاب کا سامنا کرنا پڑے گا جو شاید انقلابِ فرانس سے کم نہ ہوگا۔

اگر ہم نے اس خونی انقلاب کو روکنا ہے تو ہمیں ایک ایسے لیڈر کو تلاش کرنا ہوگا جو حضرت طالوت علیہ السلام کی جرات، حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فراست اور حضرت قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کا خلوص رَکھتا ہو۔

○.....○.....○

حدیث ۶ : عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْھَدُوْا اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَیُقِیْمُوْا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْ الزَّکٰوۃَ فَاِذَا فَعَلُوْ ذٰلِکَ عَصَمُوْا مِنِّی دِمَآءَ ھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُھُمْ عَلَی اللّٰہِ۔ (تفہیم البخاری، جلد اوّل، حدیث ۲۴)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اُس وقت تک جنگ کروں جب تک کہ وہ یہ گواہی نہ دے لیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور وہ نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں۔ جب وہ یہ کرلیں تو اُنہوں نے مجھ سے اپنے خون اور مال محفوظ کر لیے مگر اِسلام کے حق پر اور اُنکا حساب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔

نوٹ: اس حدیث شریف کا پیغام یہ ہے کہ اس زمین پر صرف اللہ تعالیٰ کی ہی حکمرانی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی زندگی میں یہ کام پوری شدّت کے ساتھ سرانجام دیا اور ایک بہت بڑا علاقہ حکومت الٰہی کے زیر اثر آ گیا۔ آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے چلے جانے کے بعد اب یہ اُمت کا کام تھا کہ اس پیغام کو تمام دُنیا تک پہنچائیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے نظامِ اِسلام کو نافذ کرنے اور ریاست الٰہی کی حدود کو وسعت دینے میں سخت جدوجہد کی جسکے نتیجے میں آدھی صدی ہجری تک دُنیا کے ایک تہائی حصے پر اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ یہ سلسلہ کافی مدت تک چلتا رہا لیکن پھر رفتہ رفتہ اس میں سستی آتی گئی۔ اب حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نظام کو دُنیا تک پھیلانے اور نافذ کرنے کی ہمت تو بالکل ہی نہیں ہے بلکہ جو کچھ ہے، اسکو محفوظ رکھنے میں بھی مشکل پیش آ رہی ہے۔

اس تنزل کی وجہ یہ ہے کہ ہم قرآن مجید اور سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس درجہ چھوڑ چکے ہیں کہ اسکے بنیادی پانچ ستونوں میں سے دو ستون یعنی نماز اور زکوۃ

ہمارے معاشرے میں تقریباً ختم ہی ہو چکے ہیں۔ ایک فیصد سے بھی زیادہ نماز پڑھنے والے نہیں ملتے۔ جو نمازی ہیں، ان میں خشوع نہیں رہا، جو صدقہ وزکوۃ دینے والے ہیں، ان میں تقویٰ نہیں رہا۔ ہمارے روزے بھی تقویٰ سے خالی ہیں اور حج میں بھی عام طور پر رِیا داخل ہوگئی ہے۔

اس صورتحال کا حل یہ ہے کہ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کر کے اپنے اعمال کی اصلاح کرنی چاہیے اور نظامِ اِسلام کے نفاذ کیلئے جہاں تک ممکن ہو، جدوجہد کرنی چاہیے۔

جب اللہ تعالیٰ کی حکومت اپنے ملک میں صحیح معنوں میں قائم ہو جائے گی تو پھر ہی ہم سیاسی طور پر اتنے طاقتور ثابت ہوں گے کہ اس پیغام کو دُنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔ ہماری ڈیوٹی صرف پیش کرنے تک ہی محدود نہیں ہونی چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منشا یہ ہے کہ دُنیا کی پوری سیاست ''اَلْمُصْلِحُوْن'' کے ہاتھ میں ہو۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے ''وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ م بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ ''(الانبیاء۲۱، آیت ۱۰۵)

ترجمہ ''اور زبور میں ہم نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے''۔

اللہ تعالیٰ نے تو وعدہ کیا ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے لیکن اس وقت ہم دیکھ رَہے ہیں کہ دُنیا کی حکمرانی غیر مصلحین کے ہاتھ میں ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ مصلحین ہی زمین میں ختم ہو چکے ہیں۔ اگر ہم دوبارہ مصلحین بن جائیں جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھے تو دُنیا کی کوئی طاقت ہمیں ہمارے اس حق سے محروم نہیں کر سکتی۔ اس کیلئے وہی سخت محنت کرنی پڑے گی جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے فرمائی تھی۔

یہ مقام حاصل کرنے کیلئے پہلا قدم اپنے ملک میں نظامِ اِسلام کو زندہ کرنا ہے۔ اسکے بغیر دوسرا قدم ممکن نہیں۔

نظامِ اِسلام کیا ہے؟

نظامِ اِسلام زندگی کا وہ نظام ہے جو انسان کو سلامتی بخشتا ہے۔ یہ نظام اللہ تعالیٰ کی

آخری کتاب قرآن حکیم اور آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت پر مبنی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ نظام جب پوری طرح متحرک ہوگا تو ایک عورت اکیلی صنعا سے چلے گی اور حج کر کے اکیلی واپس آئے گی اور اسکو سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کسی کا ڈر نہیں ہوگا۔ جب نظامِ اِسلام پوری طرح عمل میں آتا ہے تو ہر شہری کو پورا پورا عدل وانصاف ملتا ہے اور ہر شہری کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت حکومت کا ایک ذمہ بن جاتا ہے۔ جب عدل قائم ہوگا تو ظالم کا ہاتھ ظلم سے روک دیا جائے گا اور مظلوم کی مدد کی جائے گی۔

عدل ایک ایسی اکائی ہے جس پر کائنات کا بقا اور دوام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو عدل قائم کرنے کیلئے ہی دُنیا میں بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتابیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کی سنّتیں مل کر مکمل عدل کا خاکہ تیار کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝'' (الحدید ۵۷، آیت ۲۵) ترجمہ ''ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور ترازو یعنی قواعد عدل تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور لوہا پیدا کیا۔ اس میں (اسلحہ جنگ کے لحاظ سے) خطرہ بھی شدید ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں اور اسلئے کہ جو لوگ بن دیکھے خدا اور اسکے پیغمبروں کی مدد کرتے ہیں، خدا ان کو معلوم کر لے۔ بے شک خدا قوی اور غالب ہے''۔

اب ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن حکیم اور اللہ تعالیٰ کا آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کوئی دوسری کتاب اور کوئی دوسرا نبی نہیں ہے کہ انکو چھوڑ کر ہم عدل کا معیار قائم کریں۔ دُنیا میں عدل قائم کرنے کیلئے اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم قرآن حکیم اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خود عمل پیرا ہو کر دُنیا کو اس نظامِ عدل کی طرف دعوت دیں۔

وقت کی ضرورت ہے کہ ہمارے موجودہ نظام میں انقلابی بنیادوں پر تبدیلی لائی جائے۔ اُردو، عربی اور انگریزی کی زبانیں لازمی ہوں۔ قرآن مجید اور سنّت رسول صلی

اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات نظامِ تعلیم کا ایک لازمی حصہ ہوں اور سائنس اعلیٰ ترین معیار کے ساتھ ترقی یافتہ ملکوں سے حاصل کر کے ہمارے نظامِ تعلیم کی ریڑھ کی ہڈی کے طور پر شامل ہونی چاہیے۔

تعلیم وتربیت میں معلّم کا کردار بہت ہی گہرا اَثر رَکھتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم معلّم انسانیّت بن کر آئے تھے۔ اُنہوں نے جس طرز پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعلیم وتربیت فرمائی، وہی طریقہ ہمیں بھی اختیار کرنا چاہیے۔ آپکی تعلیم وتربیت کے دو بنیادی پہلو تھے: ایک اپنے قول سے صحیح راستے کی طرف رہنمائی فرمانا اور دوسرا عملی طور پر کر کے دِکھا دینا۔ کسی فرد یا قوم کی تربیت کا یہ بہترین ماڈل ہے۔

ہمارے سکولوں، کالجوں اور مدرسوں میں اُستاد کی ڈیوٹی صرف کتابوں کو رَٹانے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ان کا معیارِ تربیت اتنا نچلے دَرجے کا ہے کہ ہمارے طلبہ اچھے شہری بن کر نہیں نکلتے۔ ہمیں نظامِ تعلیم کی تشکیلِ نو کے ساتھ اساتذہ کی تعلیم وتربیت پر بھی توجہ دینی چاہیے۔ اگر ہم اُستاد کے معاوضہ کو پُرکشش بنا دیں تو ہم معاشرے کے اچھے تعلیم یافتہ لوگوں کو محکمہ تعلیم کی طرف مدعو کر لیں گے۔ ملازمت کے دوران کچھ وقت اساتذہ کرام کو ٹریننگ سکول میں تربیت حاصل کرنے کا موقع دیا جانا چاہیے۔

آج کل ٹیوشن کا رواج عام ہو گیا ہے۔ اس سے قوم کے بچوں کا وقت ضائع ہوتا ہے اور یہ بچے کو سہل انگیزی کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ بچہ نہ تو سکول میں توجہ دیتا ہے اور نہ ہی پھر ٹیوشن میں توجہ دیتا ہے، اس طرح اسکی ذہنی بالیدگی نہیں ہو پاتی۔ سکول اور کالج کے وقت میں ہی اُستاد کو چاہیے کہ اپنے طلبہ کو محنت سے پڑھائے تاکہ سکول کے اوقات کے بعد بچہ ٹیوشن کی ضرورت محسوس نہ کرے۔ امتحانات میں کرپشن کا سدباب کیا جانا چاہئے۔

یہ سب کچھ حکومت ہی کر سکتی ہے، کسی فردِ واحد کے بس کی بات نہیں ہے لیکن افسوس، کون سی حکومت؟ ابھی تک تو کوئی ایسی حکومت آئی نہیں جسکو تعلیم کی اہمیت کا شعور ہو۔ حضرت قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ابھی تک کسی نے تعلیم پر صحیح معنوں میں توجہ نہیں دی۔ حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ معیار کی تعلیم کے بغیر جسکی بنیاد تقویٰ پر ہو، ہم ترقی نہیں کر سکتے۔ بغیر ترقی کے بقیہ دُنیا تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا ناممکن ہوگا۔

میں نے یہاں تقویٰ کی بات کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علم بغیر تقویٰ کے شیطانیّت

کی طرف لے جاتا ہے۔ایسا علم مفید ہونے کے بجائے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔انسان کیلئے سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ وہ جنت کا وارث بن جائے اور سب سے بڑی ناکامی یہ ہے کہ اسے جہنم میں جھونک دیا جائے۔تقویٰ کے بغیر علم ان راہوں کی طرف لے جاتا ہے جو جہنم کو جاتے ہیں۔طلبہ میں تقویٰ پیدا کرنے کے لیے تقویٰ والے اُستاد کی ضرورت ہوتی ہے۔

تقویٰ کا سیدھا سادہ مطلب یہ ہے کہ انسان پُرخلوص رَہے۔اللہ تعالیٰ کے ساتھ، عوام کے ساتھ، ملک کے ساتھ۔یہ خلوص جہادِ اکبر ہے۔

ہمارے طالبعلم کی یہ نیّت ہونی چاہیے کہ میں اپنی تعلیم اللہ تعالیٰ کی خاطر حاصل کر رہا ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ کے کلمے کو بلند کرسکوں۔ہمارے سکول اور کالج کی تعلیم کا یہی نقطہ نظر ہونا چاہیے۔فنی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم لازماً حاصل کرنا ہوگی۔متاع الحیات کمانا ثانوی حیثیت رَکھتا ہے لیکن انتہائی ضروری اور لازم ہے کہ انسان اپنی دُنیاوی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے خود اپنی کوشش سے روزی کمائے تاکہ وہ کسی دوسرے کا دست نگر نہ بنے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سوال کرنے کو ناپسند فرمایا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا''جو حلال روزی تلاش کرے بھیک سے بچنے کیلئے اور اپنے گھر والوں پر اور اپنے پڑوسی پر مہربانی کرنے کیلئے، وہ قیامت کے دِن اللہ تعالیٰ سے ایسے ملے گا کہ اسکا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوگا''(مشکوٰۃ المصابیح، حدیث ۴۹۷۴)۔اگر ہمارا طالبعلم اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیّت سے تعلیم حاصل کرے گا تو وہ دونوں جہان میں کامیابی سے ہمکنار ہوگا۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے،''**فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ○ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○**''(البقرہ۲، آیت۲۰۰-۲۰۲)ترجمہ''کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں، اے ہمارے رَب! ہمیں دُنیا عطا کر۔ایسے لوگوں کیلئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں

جو کہتے ہیں، اے ہمارے رَب! ہمیں دنیا میں بھی بہترین زندگی عطا کر اور آخرت میں بھی اور ہمیں عذابِ جہنم سے نجات دے۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کو انکی (نیک) کمائی کا حصہ ملے گا (یعنی دونوں جہاں میں) اور اللہ تعالیٰ تو بہت جلد حساب (کتاب) کرنے والا ہے یعنی دُنیا کی نعمتوں کا حصہ جلد عطا فرمائے گا''۔

اگر نیّت آخرت کی ہوگی تو اللہ تعالیٰ دُنیا بھی عطا فرمائے گا اور آخرت بھی۔ اگر ہمارے لیڈر، طلبہ اور دوسرے لوگ ایسی نیّت کے ساتھ کام کریں گے تو تب ہی ممکن ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ ہم نظامِ اِسلام کو ملک میں زندہ کرنے کا خواب شرمندہ تعبیر کرنے کے بعد دُنیا کو اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام پہنچا سکیں گے۔

○.....○.....○

حدیث ۷ : عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ فَقَالَ اِیْمَان'' بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ قِیْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ الْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قِیْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ حَجّ'' مَّبْرُوْر''۔ (تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۲۵)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لانا۔ پھر پوچھا گیا کہ اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''جہاد فی سبیل اللہ''۔ پھر پوچھا گیا کہ اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''حج مبرور''۔

نوٹ : ایمان لانے کے بعد بہترین اعمال جہاد فی سبیل اللہ اور حج مبرور ہیں۔

جہاد فی سبیل اللہ ایک بہت ہی وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ ہم عام طور پر جہاد کا مطلب صرف جنگ لیتے ہیں جو بالکل غلط ہے۔ یہ جنگ دراصل جہاد فی سبیل اللہ کی چوٹی ہے۔

پہاڑ کی چوٹی پر پہنچنے کیلئے پہاڑ کے دامن سے لے کر چوٹی تک ایک لمبا سفر اختیار کرنا پڑتا ہے۔ یہ سفر طے کیے بغیر آپ چوٹی پر نہیں پہنچ سکتے۔ ہم یہ مشکل سفر تو طے کرنا پسند نہیں کرتے اور چوٹی پر پہنچے بغیر اپنے زعم میں خیال کرتے ہیں کہ ہم چوٹی پر بیٹھے ہیں۔

چوٹی پر پہنچنے کا یہ لمبا سفر ہم سے بے شمار حقوق کی ادائیگی کا تقاضا کرتا ہے جسکے تین بنیادی اقدام ہیں۔ پہلا قدم اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر پورے یقین کے ساتھ ایمان لانا ہے۔ دوسرا قدم حقوق اللہ کو دِل و جان سے اَدا کرنا ہے۔ تیسرا قدم حقوق العباد کا پورا پورا اَدا کرتے رہنا ہے۔

یہ حدیث شریف صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مجمع میں بیان ہوئی ہے۔ انکے لیے اشارہ یہ تھا کہ جنگ فی سبیل اللہ بہترین عمل ہے۔ انکو یہاں اللہ تعالیٰ کے راستے میں جنگ کرنے کی ترغیب دی جا رہی تھی کیونکہ وہ جہاد کے پہلے تین اقدام پر مضبوطی سے عمل پیرا تھے۔ انکا ایمان مضبوط تھا۔ وہ حقوق کی ادائیگی میں دِن رات جان کھپاتے تھے۔ اب انکے لیے چوٹی کا عمل جنگی محاذ رَہ گیا تھا۔

لیکن ہمارے لیے جنگی محاذ سے پہلے ان تین اقدام پر عمل کرنا اِنتہائی ضروری ہے۔ ہمارا ایمان اس درجہ کمزور ہے کہ رائی کے دانے کے برابر پہنچ چکا ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کہیں نظر نہیں آتی۔ جو لوگ ان تین باتوں پر عمل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، انکی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے اور جو کچھ بھی وہ کر رَہے ہیں، وہ زیادہ تر رسمی عبادات ہیں جو کہ روح سے سراسر خالی ہیں۔ حقوق العباد کا کہیں شعور نظر نہیں آتا۔ ہمارے لیے اس حدیث شریف میں سبق یہ ہے کہ پہلے اپنے ایمان اور اعمال کو انقلابی بنیادوں پر مضبوط کریں جسکا منطقی انجام یہ ہوگا کہ معاشرے میں عدل قائم ہو جائے گا۔ ہمارے لیے یہی بہترین جہاد ہے۔ اگر ہم پورے جذبہ سے ان تین باتوں پر محنت کریں گے تو معاشرے میں عدل کا وجود بھی نظر آ جائے گا۔ اگر عدل نظر نہیں آتا تو جان لیجئے کہ ہمارا ایمان اور حقوق کی ادائیگی بہت ہی نچلی سطح پر ہیں۔ ایسی حالت میں جنگ لڑنا اور اسکو جہاد فی سبیل اللہ کہنا بالکل غلط ہے۔ یہ جہاد نہیں بلکہ شیطانی دھوکہ ہے۔ جنگی محاذ فی سبیل اللہ تو ہوتا ہی عدل کو قائم کرنے کیلئے ہے۔ اگر آپ زمانہءاَمن میں معاشرے میں عدل قائم کرنے کی صلاحیت نہیں رَکھتے تو جنگ سے آپ عدل کیسے قائم کرسکیں گے۔ تب یہ لڑائی نظامِ عدل قائم کرنے کے بجائے ایک ظالمانہ نظام قائم کرے گی جسکی اجازت نہ تو اللہ تعالیٰ اور نہ ہی اسکا رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں جنگ حکومت کی سربراہی میں ہوتی تھی۔ ازخود کوئی قبیلہ یا گروہ یا پارٹی تلوار نہیں اُٹھا سکتے تھے۔ یہی طریقہ آج تک صحیح رہا ہے اور تا قیامت صحیح رَہے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں باقاعدہ فوج وجود میں آ چکی تھی۔ اسکے علاوہ بہت سے اور محکموں کی بنیاد بھی رَکھی جا چکی تھی۔ اس وقت جہاد فی سبیل اللہ کا محکمہ تنخواہ دار فوج کو منتقل کر دیا گیا تھا۔ آج کل اس محکمہ کو محکمہءدفاع کہا جاتا ہے۔ ملکی دفاع حقیقتاً بہت بڑا جہاد ہے جسکو اللہ تعالیٰ کے راستے میں مجاہد بننے کا شوق ہو، اس کیلئے فوج میں شامل ہونے کا راستہ کھلا ہے۔ اسکے علاوہ کوئی دوسرا راستہ صحیح نہیں ہے۔ اگر کوئی دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے تو وہ بہت بڑا جاہل، ظالم اور مُجرِم ہے۔

○.....○.....○

حدیث ۸: عَنِ الْمَعْرُوْرِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ لَقِیْتُ اَبَا ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ بِالرَّبَذَۃِ وَعَلَیْہِ حُلَّۃٌ فَسَأَلْتُہٗ عَنْ ذٰلِکَ فَقَالَ اِنِّیْ سَابَبْتُ رَجُلًا فَعَیَّرْتُہٗ بِاُمِّہٖ فَقَالَ لِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یَا اَبَا ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَعَیَّرْتَہٗ بِاُمِّہٖ اِنَّکَ امْرُؤٌ فِیْکَ جَاھِلِیَّۃٌ اِخْوَانُکُمْ خَوَلُکُمْ جَعَلَھُمُ اللّٰہُ تَحْتَ اَیْدِیْکُمْ فَمَنْ کَانَ اَخُوْہُ تَحْتَ یَدِہٖ فَلْیُطْعِمْہُ مِمَّا یَاْکُلُ وَلْیُلْبِسْہُ مِمَّا یَلْبَسُ وَلَا تُکَلِّفُوْھُمْ مَا یَغْلِبُھُمْ فَاِنْ کَلَّفْتُمُوْھُمْ فَاَعِیْنُوْھُمْ۔ (تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۲۹)

ترجمہ: حضرت معرور رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں ربذہ میں ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا۔ اُن پر ایک چادر تھی اور اُنکے غلام پر بھی ایک ایسی ہی چادر تھی۔ میں نے اسکا سبب پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے ایک شخص کو ایک دفعہ ماں کی گالی دی تو مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اے ابوذرؓ! تو نے اُسے ماں کی گالی دی ہے، تم میں تو جاہلیت پائی جاتی ہے۔ تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں تمہارے قبضے میں کر دیا ہے۔ جسکا بھائی اُسکے قبضے میں ہو تو اُسے چاہیے کہ جو آپ کھائے، اُسکو بھی وہی کھلائے اور جو خود پہنے، اُسے بھی وہی پہنائے اور اُنکو زیادہ مشقت کا کام نہ دے جو اُن پر گراں بار ہو اور اگر ایسی مشقت اُنکو دو تو اُنکی مدد کرو''۔

نوٹ: اس حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہ پیغام دیا ہے کہ جو لوگ تمہارے زیر تصرف ہیں خواہ وہ غلام ہوں یا ذاتی ملازم، انکے ساتھ حسن سلوک کا رویہ رکھا جائے۔ انکی ذاتی ضروریات کو حتی الامکان پورا کیا جائے اور ہر طریقے سے انکی آسائش کیلئے مدد پہنچائی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپکو بہت لوگوں پر کئی طرح سے فضیلت دی ہے۔ مال سے، تعلیم سے، اقتدار سے وغیرہ وغیرہ۔ ہمیں چاہیے کہ ہم سے کم حیثیت کے لوگ جو معاشرے میں ہیں اور خاص طور پر وہ لوگ جن سے ہمارا نسبی یا کاروباری تعلق ہے، انکی

جہاں تک ہو سکے، مدد کرتے رہیں۔اس رویے سے معاشرے کا وہ طبقہ جو محروم ہے، اپنے بہت سے حقوق حاصل کر سکے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''تمہاری مثال ایک دیوار کی مانند ہے کہ ایک اینٹ دوسری اینٹ کو تقویت دیتی ہے'' (مشکوۃ)۔اپنے سے کم تر لوگوں پر رَحم کرنا اور انکی مدد کرتے رہنا ایک ایسے اتحاد کو جنم دیتا ہے جو کہ وقت آنے پر سیسہ پلائی دیوار کی طرح مضبوط ثابت ہوتا ہے۔

اس حدیث شریف کو سرسری نظر سے دیکھیں تو یوں لگتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فحش کلام سے روکا ہے لیکن اگر ذرا گہرائی میں جائیں تو پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فحش کلام سے روکنے کے ساتھ ساتھ اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ تمام انسان مساوی حقوق رَکھتے ہیں۔اگر کوئی حالات کی وجہ سے غلام بن گیا ہے تو اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسکے بنیادی حقوق تم سے کم ہو گئے ہیں، اسی لیے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تمہارے بھائی ہیں اور بھائی اپنے بھائی کے برابر حقوق رَکھتا ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جماعت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت جسکی تربیت سیّد البشر اور سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے فرمائی تھی، انسانی تاریخ کی بہترین قوم تھی۔اس قوم کی تعریف اللہ تعالیٰ نے یوں فرمائی ہے ''**كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ**'' (آلِ عمران۳، آیت۱۱۰) ترجمہ ''تم ایک بہترین اُمت ہو جو کہ تمام انسانوں کی رَہنمائی کیلئے نکالی گئی ہو۔تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رَکھتے ہو''۔

اس اُمت کے بے شمار فضائل ہیں جن کا احاطہ اس مختصر کتاب میں ممکن نہیں ہے اور نہ ہی اس وقت یہ مقصود ہے۔صرف تین بنیادی اوصاف کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔ ۱) صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سچ بولنے والے تھے اور سچ پر جان دے دیتے تھے۔۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات سن کر فوری عمل فرماتے تھے یعنی ایمان ان کے سینوں میں انتہائی بلندی پر موجزن تھا۔۳) اُمت میں مساوات اور عدل پوری طرح قائم تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور آپکے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں فرمایا کہ ''میرے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ستاروں کی مانند ہیں۔ جو بھی انکی پیروی کرے گا، وہ سیدھے راستے پر چل نکلے گا''۔

ہم جب اپنا جائزہ لیتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ہمارا طریقہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بالکل ہی مختلف ہوگیا ہے۔ سچ ہمارے ہاں ایک اجنبی چیز بن کر رہ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں یعنی قرآن مجید اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوّل تو ہم سننے کا شوق ہی نہیں رکھتے، اگر سنتے ہیں تو ان پر غور نہیں کرتے۔ اگر کسی نے کچھ غور کر لیا تو ان پر عمل نہیں کرتے۔ کیا ہمارا ایمان رائی کے دانے سے بھی کم ہوگیا ہے۔ جہاں تک مساوات اور عدل کا تعلق ہے، ہم اس شعور سے میلوں دُور ہیں۔

اگر یہ تین صفات ہم آج اپنے اندر پیدا کر لیں تو ہم بھی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرح بہترین اُمت بن سکتے ہیں۔ بہترین اُمت کا اَجر اللہ تعالیٰ کے نزدیک آخرت میں جنت اور اس دُنیا میں عزت کا مقام یعنی اقوام عالم میں چوٹی کا مقام ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانے میں اُمت (معاشرہ، سوسائٹی) معاشرتی درجہ بندی میں منقسم نہیں تھی جیسے آج کل ہماری سوسائٹی ہے۔ پوری اُمت ایک ہی سطح پر تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرمانا کہ تم میں جاہلیت ہے، اس طرف اشارہ تھا کہ تمام بنی نوع انسان بنیادی حقوق میں مساوی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فحش کلامی سے منع فرمانے کے علاوہ یہ بھی فرمایا کہ تم نے اسکا حق مارا ہے۔ انسان کا بنیادی حق یہ ہے کہ اسکی عزت کی جائے۔ اگر وہ تمہارا غلام بن گیا ہے تو اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسکے بنیادی حقوق سلب ہوگئے ہیں۔

اسی طرح اگر ایک کے پاس دولت ہے یا دوسرا بہت غریب ہے تو اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ امیر کے حقوق غریب سے زیادہ ہوں گے اور نہ ہی کسی صورت میں غریب کے حقوق امیر سے زیادہ ہوسکتے ہیں۔

کسی کو اقتدار ملنے سے اس کے بنیادی حقوق دوسروں سے متجاوز نہیں کر جاتے

اور نہ ہی وہ شخص جو ہماری گلیوں کی صفائی کرتا ہے، کسی بنیادی حقوق سے محروم کیا جا سکتا ہے۔ اگر ہمارا آئین کسی مقتدرِ اعلیٰ کو کسی پہلو سے زیادہ حق دیتا ہے تو یہ شق اِسلامی ملک کے آئین کا حصہ نہیں ہونی چاہیے۔

اگر کوئی شہری بنیادی حقوق سے محروم کیا جا رَہا ہے تو یہ حکومت اور معاشرے کا ذمہ ہے کہ اسکو اسکے حقوق دلوائیں۔ غزوۂ خیبر کے موقع پر ایک مسلمان کی لاش علی الصبح خیبر کی گلیوں میں پڑی ہوئی ملی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اسکی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تفتیش کا حکم دیا لیکن انتہائی کوشش کے باوجود قاتِل کا علم نہیں ہو سکا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اسکی دِیَت ہم دیں گے یعنی حکومت دے گی'' اور حکومت نے دِیَت ادا کی یہاں عوام بھی حق دلانے کیلئے متحرک ہیں اور حکومت بھی مستعد ہے۔

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آئے۔ عرض کیا کہ میری بیوی خلع لینا چاہتی ہے۔ میں اس سے بہت محبت رَکھتا ہوں لیکن وہ بضد ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس عورت کو بلایا اور فرمایا کہ طلاق نہ لو۔ عورت نے عرض کی کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مشورہ ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حکم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''یہ میرا صرف مشورہ ہے''۔ پھر وہ عورت کہنے لگی ''تب تو مجھے اختیار ہے کہ میں مشورے پر عمل کروں یا نہ کروں''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس بات کا بُرا نہیں منایا۔ یہاں غور کیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نبی ہونے کے ساتھ یہاں ریاست کے سربراہ بھی ہیں لیکن ایک عام شہری کو اپنا بنیادی حق چھوڑنے پر ہرگز مجبور نہیں فرما رَہے۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ کسی کی تونگری یا تنگدستی اس کے حقوق میں نہ زیادتی کرتی ہے، نہ کمی کرتی ہے۔ ایک شخص مدینہ طیبہ میں سرنگی نواز تھا۔ وہ اس طریقے سے اپنی روزی کماتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے نالاں تھے لیکن وہ ان کے ہاتھ نہیں لگتا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کی صحت اتنی خراب ہوگئی کہ اب وہ سرنگی سے اپنی روزی کمانے کے قابل نہیں رہا۔ ایک دِن بھوک سے نڈھال ہو کر جنت البقیع میں ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت اپنے گھر میں قیلولہ فرما

رہے تھے۔خواب آیا کہ ایک بندہ جنت البقیع میں بھوک سے نڈھال پڑا ہے۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پریشان ہوکر اُٹھے اور کچھ خوراک لی اور جنت البقیع چلے گئے۔دیکھا کہ یہ وہی سرنگی نواز تھا جس کو میں سزا دینا چاہتا ہوں۔نہ اس کی غربت نے اس کا بنیادی حق سلب کیا اور نہ ہی اس کی سرنگی نے۔

پیشے کی بناء پر کسی کا حق کم یا زیادہ نہیں ہو جاتا۔صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مختلف پیشوں سے تعلق رکھتے تھے۔کوئی تاجر تھا،کوئی مزدور تھا،کوئی زمیندار تھا،کوئی بھیڑ بکریاں پالتا تھا لیکن کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہیں تھی اور نہ کوئی کسی سے کم تر تھا۔سب کے حقوق برابر تھے۔

ہمارے ہاں دھوبی،نائی،موچی وغیرہ کو کیوں کمتر خیال کیا جاتا ہے۔حالانکہ ایک دھوبی کے بھی بنیادی حقوق وہی ہیں جو صدر کے ہیں۔اِسلام میں ایک کو دوسرے پر پیشے کی بنا پر کوئی فوقیت نہیں۔بنیادی حقوق کے لحاظ سے کسی کو کسی پر فوقیت دینا جہالت ہے۔ ایسی جہالت جو مکہ مکرمہ میں دَورِ شرک میں موجود تھی اور ہندوستان میں اِسلام آنے سے پہلے اور ہندوؤں میں اِسلام آنے کے بعد بھی موجود ہے۔کیا ہم قرآن مجید سے کچھ نہیں سیکھتے؟ کیا ہندوؤں کی ذات پات نے ہم پر اتنا اَثر چھوڑا ہے کہ گو ہم ذات پات میں تو یقین نہیں رَکھتے لیکن اسکی دوسری شکل یعنی وی آئی پی (VIP) کلچر پر یقین رَکھتے ہی نہیں ہیں بلکہ اس پر شدت سے عمل کر رہے ہیں۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبشہ سے تھے اور انکا رنگ سیاہ تھا۔حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ گورے رَنگ کے تھے لیکن دونوں کے حقوق برابر تھے۔دونوں معاشرے میں ایک ہی سطح پر کھڑے تھے۔یہی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمائی تھی کہ ''کسی گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فوقیت نہیں ہے''۔اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا،''عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت نہیں ہے''۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے دَور میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چھت کا پرنالہ اُتار دیا گیا کیونکہ بارش کا پانی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحن میں گرتا تھا۔حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عدالت میں استغاثہ دائر کر دیا۔قاضی

نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں فیصلہ دیا جسکو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بخوشی قبول فرمایا۔ نہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ترجیح دی گئی کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہیں اور نہ ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ترجیح دی گئی کہ وہ امیر المومنین (ریاست کے صدر) ہیں۔ نہ کسی کا حق مارا گیا، نہ زیادہ دیا گیا۔

بچپنے میں بھی بنیادی حقوق نہیں مارے جا سکتے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائیں طرف بیٹھے ہیں۔ کچھ جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بائیں طرف بیٹھے ہیں۔ ایک شخص دودھ کا پیالہ لے کر آتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ نوش فرماتے ہیں پھر فرماتے ہیں کہ اے عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! کیا آپ مجھے اجازت دیں گے کہ میں یہ پیالہ اپنے بائیں طرف بیٹھنے والے بزرگوں کو دے دوں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عرض کرتے ہیں، ''جی نہیں، میں اپنا حق دوسروں کو نہیں دے سکتا'' تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ پیالہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دے دیا کیونکہ دائیں طرف بیٹھنے والے کا حق پہلے ہوتا ہے۔

یہاں ذرا غور کیجئے، عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جوٹھا دودھ خود پینا چاہتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نظامِ عدل کو قائم کرنے کے لیے ایک بچے سے اس کا حق چھوڑنے کے لیے سفارش فرما رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صوابدیدی اختیارات دیے گئے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں استعمال نہیں فرما رَہے، یہی تو عدل ہے۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صوابدیدی اختیارات سے میزانِ عدل کو ایک طرف جھکا دیتے تو پھر بعد میں میزان کو سیدھا کون رَکھتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا، ''**وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ○ اَلَّا تَطْغَوْا فِى الْمِيْزَانِ ○ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ○**'' (الرحمٰن ۵۵، آیت ۷، ۸، ۹) ترجمہ ''اور اسی نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو رَکھ دی۔ کہ ترازو سے تولنے میں حد سے تجاوز نہ کرو اور انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو اور تول کم مت کرو''۔

اِسلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علاوہ کسی کے پاس کوئی صوابدیدی اختیارات نہیں ہیں۔ اگر ہمارے آئین میں کوئی ایسے اختیارات کسی شخصیت کو دیئے ہوئے ہیں تو بالکل غلط ہے، اِسلام اسکی اجازت نہیں دیتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اگر میں تمہیں رَیاض الجَنّۃ کی فضیلت بتا دوں تو مجھے قرعہ اندازی کرنی پڑے''۔ ظاہر بات ہے کہ فضیلت معلوم ہونے سے لوگ رَیاض الجَنّۃ کی طرف بھاگیں گے کہ سب سے پہلے وہاں پہنچ کر نفل ادا کریں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمارَہے ہیں کہ چونکہ سب کا حق برابر ہے، اسلئے قرعہ اندازی کی بنا پر اپنی اپنی باری پر نفل ادا کرنے کی اجازت ہوگی۔ اگر کوئی طاقتور ہے اور دوسرا کمزور تو طاقتور کا حق زیادہ نہیں ہوجاتا اور نہ ہی کمزور کا حق کم ہوجاتا ہے۔ آج کل اسی ریاض الجنۃ میں صورتحال عدل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی منشا کے بالکل برعکس ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہر کوئی ایک دوسرے کو دھکا دے کر اپنی جگہ بنانے کی کوشش کرتا ہے اور پھر وہاں سے ہٹنے کا نام نہیں لیتا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پڑوس میں ہورہا ہے اور انتظامیہ اس پر کوئی توجہ نہیں دیتی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اے عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! تم زور آور ہو، حَجَرِ اَسْوَد کو بوسہ دیتے وقت لوگوں کا خیال رَکھنا''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ جسمانی طاقت کی بنا پر کمزور کا حق نہیں مارنا چاہیے۔ آج کل حَجَرِ اَسْوَد پر حالت کیا ہے؟ آپ نے خود مشاہدہ کیا ہوگا۔ اتنی دھکم پیل ہے کہ سب ہی ایک دوسرے کا حق مارَ رہے ہیں اور یہ عین خانہ کعبہ میں ہورہا ہے۔ اس پر بھی انتظامیہ خاموش ہے۔

ایک غزوہ میں ایسا ہوا کہ پانی کی سخت قلت ہوگئی، لوگ تنگ آ گئے پھر جب پانی نظر آیا تو لوگ اسکی طرف بھاگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اخلاق سیکھو'' یعنی مت بھاگو۔ ذرا غور کیجئے! یہاں بھاگنے سے کیوں منع کیا گیا ہے؟ تیز بھاگنے والے کا حق سست چلنے والے سے زیادہ نہیں ہے۔ اس پانی پر سب کا حق برابر ہے لہٰذا اگر تیز دوڑ کر پہلے پانی پر قبضہ کرلو گے تو دوسروں کا حق مارو گے۔ روزمرہ کی زندگی میں ہمارا کیا طریقہ ہے۔ ہم جہاں بھی جاتے ہیں، ایک دوسرے سے آگے بھاگ کر کمزور کا حق

مارتے ہیں۔ ہماری ٹریفک اسکا کھلا ثبوت ہے۔

مسجد میں اپنے لیے جگہ مخصوص کر لینے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ مسجد میں تمام لوگوں کا حق مساوی ہے لیکن بعض لوگ پہلی صف میں اپنے لیے جگہ مخصوص کروا لیتے ہیں اور یہ وہ لوگ کرتے ہیں جو اپنے آپکو عالم اور دینی لیڈر سمجھتے ہیں۔ اگر کسی کو پہلی صف میں شامل ہونے کا شوق ہے تو وقت پر آئے اور شامل ہو جائے۔

ایک ہی مجمع میں چند لوگوں کیلئے علیحدہ کھانا مخصوص کر دینا یا کھانے کی جگہ مخصوص کر دینا، غلط بات ہے۔ مجمع کا ہر شخص کھانے اور جگہ پر مساوی حق رَکھتا ہے۔

۱۹۷۰ء کی بات ہے میں ایک دینی اجتماع میں گیا۔ تقریر کے بعد میں واپس آنے لگا تو مجھے انتظامیہ کے لوگوں نے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ کھانا کھا کر جائیں۔ میں نے کہا، ''اس شرط پر آپکے ساتھ کھانا کھاؤں گا، اگر مجھے مولانا کے ساتھ کھانے کی اجازت دیں'' تو وہ مجھے کہنے لگے کہ وہ تھکے ماندے ہیں، ہم نے انکے کھانے کا خاص انتظام کیا ہے لیکن ہم یہاں مسجد میں بیٹھ کر جیسا کھانا ہوگا، کھالیں گے تو میں نے انکو کہا، ''کہ اِسلام تو اس بات کی اجازت نہیں دیتا، لیڈر تو عوام کے ساتھ کھاتا ہے۔ اس وعظ کا کیا فائدہ کہ ایک گھنٹہ تقریر کرنے کے بعد آدمی اپنا راستہ اور اختیار کرے اور دوسروں کو اور نصیحت کرے''۔ عوام الناس اور لیڈر کے بنیادی حقوق مساوی ہوتے ہیں۔

ہماری دینی مجالس اور اجتماعات میں کچھ جگہیں خاص علماء کیلئے یا دوسرے بڑے لوگوں کیلئے مخصوص کر دی جاتی ہیں اور انکو کرسیاں یا صوفے مہیا کیے جاتے ہیں جبکہ دوسرے ہزاروں لوگ مجمع میں ننگی زمین پر بیٹھے ہوتے ہیں۔ یہ انتظامیہ کا غیر مساویانہ رویہ ہے۔ یا تو سب کیلئے ایک ہی طرز کی کرسیاں مہیا کی جائیں یا پھر سب کو نیچے بیٹھنے پر مجبور کیا جائے کیونکہ سب کے حقوق برابر ہیں۔ یہی کچھ سیاسی جلسوں میں دیکھا گیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو یہ فرمایا تھا، ''آپس میں مساوات قائم رَکھو اور امتیاز نہ آنے دو وَرنہ دِلوں میں انتشار پیدا ہو جائے گا''۔

ہماری مسجدوں میں امام کیلئے خوبصورت جائے نماز ہوتا ہے۔ باقی مقتدیوں کیلئے ننگی صف یا صف پر ایک کارپٹ ہوتا ہے۔ کسی کے امام بننے سے اسکے بنیادی حقوق زیادہ نہیں ہو جاتے۔ یہ طرزِ عمل غیر مساویانہ سوچ پیدا کرتا ہے۔ امام ننگی صف پر امامت کرائے

یا ہر مقتدی کو ویسا ہی جائے نماز دیا جائے۔

ہمارے معاشرے میں گھر سے لے کر دفتر تک، سیاست سے لے کر مسجد تک ہر جگہ ایک دوسرے کے حقوق کا تلف کرنا ہماری زندگی کا معمول بن چکا ہے۔ ہمارے دفتروں میں، ریلوے اسٹیشنوں پر، بس کے اڈوں پر ہر جگہ ہجوم ہی ہجوم نظر آتا ہے۔ ہر کوئی ایک دوسرے کا حق مار رَہا ہے۔ ہم میں ڈسپلن کا کوئی شعور نہیں ہے حتیٰ کہ ہماری ٹریفک جس میں روزانہ ہزاروں حادثات ہوتے ہیں، بدانتظامی کا واضح ثبوت ہے۔ ہر ڈرائیور خواہ وہ ایک اَن پڑھ پروفیشنل ڈرائیور ہے یا کوئی بڑا آدمی خود اپنی مرسڈیز ڈرائیو کر رَہا ہے۔ بے ہنگم پن، دوسرے کے سر پر سوار رہنا، دوسرے کا راستہ کاٹنا، دوسرے کے راستے کے آگے کھڑے ہو جانا ہماری ٹریفک کا معمول ہے۔ ڈسپلن ہماری صفوں میں خطرناک نچلی سطح پر پہنچ چکا ہے۔ ڈسپلن کا شعور اور تربیت نہ ہونے کی وجہ سے ہم ایک دوسرے کا حق مارتے ہیں اور حق مارنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ ڈسپلن اور حقوق کی ادائیگی کا شعور پیدا کرنا حکمران کی ذمہ داری ہے۔ حکمران کو کیا پڑی ہے کہ وہ قوم کو ان باتوں کا شعور دلائے۔ شعور پیدا کرنے کا نظام تو وہ بنائے جسکی اپنی شخصیت میں ان باتوں کا شعور موجود ہو یعنی تزکیہ نفس اور حقوق کی ادائیگی کا شعور موجزن ہو لیکن یہاں تو گنگا ہی اُلٹی بہہ رہی ہے۔ ڈسپلن کو توڑنے والے اور حقوق کے غصب کرنے والے سب سے زیادہ ہمارے صاحب اقتدار ہیں۔

○.....○.....○

حدیث ۹: عَنْ عَبْدِاللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ لَمَّا نَزَلَتْ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَیُّنَا لَمْ یَظْلِمْ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ۔ (تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۳۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (جولوگ ایمان لائے اورانہوں نے اپنے ایمان کوظلم کے ساتھ نہ ملایا) تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا، ''ہم میں کون ہے جس نے ظلم نہ کیا ہو؟'' تو اللہ رَب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی (بے شک شرک ظلم عظیم ہے)

نوٹ: ہمارے ہاں شرک کی کئی قسمیں عرصہ دراز سے سرایت کرگئی ہیں۔ایک واضح قسم جس میں معاشرے کا ایک کثیر طبقہ شامل ہے، وہ شرک ہے جو مزاروں پر ہوتا ہے۔اس شرک کا سدّ باب کیا جانا چاہیے ورنہ اس حدیث شریف کی رُو سے ہم مجموعی طور پر ایک بہت بڑے جرم کا ارتکاب کر رَہے ہیں جسکی سزا ہمارے سامنے ہمارے روز بروز بگڑتے ہوئے حالات ہیں۔اگر ہم ان تمام رسموں کو جو کہ شرک کی طرف ہمیں لے جاتی ہیں، چھوڑ دیں تو اللہ رَب العزت کی مدد ہمیں حاصل ہوجائے گی اور ہم اپنے مسائل کا حل ڈھونڈ کر اَمن کے راستے پر گامزن ہوجائیں گے۔

جو کچھ مزاروں پر ہورہا ہے، ان بزرگوں کی تعلیمات کے بالکل برعکس ہے۔وہ حد درجہ موَحِّد تھے۔مرتے دَم تک توحید پر قائم رہے اورانہوں یہ پیغام بنی نوع انسان تک پہنچانے کیلئے اپنے گھربار چھوڑ کر دُنیا کے دُور دَراز علاقوں میں ڈیرے لگائے۔ہر قسم کی مصیبتیں جھیلیں اور پیغامِ توحید کو انسانوں تک پہنچانے کو آخری دَم تک اپنا مقصد حیات بنائے رَکھا۔

میرا مشورہ یہ ہے کہ ہر مزار کے ساتھ سکول، کالج یا یونیورسٹی قائم کی جائے جس میں جدید سائنسی علوم کے ساتھ قرآن مجید اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم اور اس بزرگ کی تعلیمات شامل ہوں۔عربی زبان کو لازمی قرار دیا جائے۔اگر یہ ہوسکے تو یہ

ایک بہترین ملّی خدمت ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں جو نعتیں لکھی گئی ہیں اور لکھی جاتی ہیں، ان میں بھی بعض دفعہ شرک واضح نظر آتا ہے۔ رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے مرتبے کو صحیح حدود سے بڑھا کر ظاہر کرنا ناپسند فرمایا ہے۔

آج کل ایک اَور قسم کا شرک زوروں پر ہے۔ یہ ہمارا اپنا نفس ہے جسکو ہم نے پوجنا شروع کیا ہوا ہے۔ آج کل پتھر کے بت تو نظر نہیں آتے لیکن ہم اپنے نفس کو بتوں سے بھی زیادہ پوجتے ہیں اور قرآن مجید اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نظر انداز کرتے جارہے ہیں۔

اپنے نفس کی خاطر جو کچھ بھی ہم کریں گے، وہ شرک ہوگا۔ شرک سے پاک عمل صرف وہ ہوگا جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی خاطر کیا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جس نے وعظ لوگوں کو خوش کرنے کیلئے کیا، اس نے شرک کیا''۔ ریا بہت بڑا شرک ہے۔

''وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ○ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ○''(الاعراف ۷، آیت ۱۷۵-۱۷۶) ترجمہ ''اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انکو اس شخص کا حال سنایئے جسکو ہم نے اپنی آیات کا علم دیا لیکن وہ ان سے نکل گیا پھر شیطان اسکے پیچھے لگ گیا اور وہ گمراہ ہوگیا۔ اگر ہم چاہتے تو اسکو ان آیات کی بدولت بلند مرتبہ عطا کرتے لیکن وہ تو خاک کی طرف مائل ہوگیا (یعنی پستی کی طرف) اور اپنے نفس کی پیروی کرنے لگا پھر اسکی حالت کتّے کی سی ہوگئی کہ اگر تو اسکو مارے تب بھی وہ زبان لٹکائے یا نہ مارے تب بھی زبان لٹکائے۔ یہی حالت ان لوگوں کی ہے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں۔ پس آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس حال کو بیان کردیجئے، شاید وہ غور کریں''۔

ایک اَور طویل حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دِن تین آدمی حساب کیلئے

پیش ہوں گے عالم، سخی اور مجاہد۔ وہ اپنے اپنے کارناموں کا ذکر کر کے اَجر کی اُمید رَکھیں گے لیکن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ سب کچھ تم لوگوں نے اپنے نفس کی خاطر کیا ہے، اب تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (مشکوٰۃ شریف، جلد اوّل، حدیث ۱۹۴)

اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ باتیں ہمیں معمولی نہیں سمجھنی چاہییں۔ نفس پرستی بہت بڑا شرک ہے اور شرک ظلم عظیم ہے۔ ہم اس دَور میں اپنے نفس کو اس درجہ اہمیت دے رہے ہیں کہ ہم راہِ راست سے ہٹ کر بہت دُور نکل گئے ہیں۔ ہمارے نزدیک اب ملکی قوانین اور قرآنی قوانین کو نظر انداز کرنے کا ایک رواج سا بن گیا ہے۔ ہمارا رویہ متکبّرانہ، خودغرضانہ ہوگیا ہے جس سے ہم حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پامال کیے جارہے ہیں۔ نفس پرستی کا شرک انسان کو انسانیّت کی نچلی سے نچلی سطح تک لے جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے ''**لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ ۝**'' (التین ۹۵، آیت ۴-۵) ترجمہ ''ہم نے انسان کو بہترین بنیادوں پر تخلیق کیا لیکن ساتھ ہی اسکو انسانیّت کی نچلی ترین سطح کی طرف پھیر دیا''۔

نفس پرستی سے انسان کو دونوں جہانوں میں نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ آخرت میں جہنم اور دُنیا میں ذلت اور خواری۔ ابوجہل، ابولہب اور فرعون نفس پرستی کی وجہ سے ہی ناکام رہے۔

ہمیں اپنے اوپر نظر ڈالنی چاہیے۔ اس سرکش نفس کو زیر کرنا چاہیے۔ اسلام کے پانچ بنیادی اصولوں پر کاربند رہنے کے ساتھ ساتھ غرباء کی خدمت کو اپنا شعار بنانا چاہیے۔ ہمیں اپنے قول اور فعل، عبادات اور حقوق العباد میں توازن رَکھنا چاہیے۔ قرآن مجید میں ہے کہ ''اپنے ہاتھوں کو نہ تو گریبان سے باندھے رکھو اور نہ انکو کھلا چھوڑ دو کہ بالآخر تم ناکام ہوکر رہ جاؤ''۔ ''**وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝**'' (بنی اسرائیل ۱۷، آیت ۲۹)۔

سرکش نفس کو سیدھے راستے پر لانے کیلئے کچھ عملی اقدامات بڑے ہی کامیاب ثابت ہوئے ہیں۔ ۱) ایک یہ کہ آپ ہر ایک کو سلام کریں، خاص طور پر ان لوگوں کو جو

معاشرے میں کم حیثیت رکھتے ہیں۔۲) دوسرے لوگوں کی ہر طرح سے جہاں تک ممکن ہو، مالی اور غیر مالی مدد کرتے رہیں۔ آہستہ آہستہ یہ نفس آپکے قابو میں آ جائے گا اور تم شرک سے پاک ہوتے جاؤ گے۔ کسی کو کم تر نہ سمجھو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جو گھوڑے پر سوار ہے، وہ چلنے والے کو سلام کرے اور جو چل رہا ہے، وہ بیٹھنے والے کو سلام کرے'' (ترمذی، حدیث ۲۵۰۹)۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''چھوٹا بڑے کو، چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے لوگ زیادہ کو سلام کریں'' (ترمذی، حدیث ۲۵۱۱)۔ ان طریقوں سے نفس پرستی کا مرض آہستہ آہستہ ختم ہوتا جائے گا۔

ہمارے ملک میں اس نفس پرستی نے بہت نقصان پہنچایا ہے۔ انفرادی طور پر تو نقصان صرف ایک یا چند اشخاص کو پہنچتا ہے لیکن اگر ہم قومی سطح پر دیکھیں تو اس سے بڑے بڑے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ مرض ہمارے بڑوں میں اس درجہ موجود ہے کہ وہ کسی قانون کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ان کا نفس ہی ان کا قانون ہے۔ رشوت سے، سفارش سے، کلاشنکوف سے وہ ہر حال میں اپنے نفس کی مرضی کرتے ہیں۔ انہیں نہ ملکی قانون کی پرواہ ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کے قانون کی۔ ان بڑوں نے ایسا اودھم مچایا ہوا ہے کہ قومی و ملی وجود کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا ہے۔ ہمارے معاشرے میں یہ بڑے تو ہر جگہ موجود ہیں لیکن سیاست اور مساجد کے بڑوں نے پوری سوسائٹی کو فرقوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ اپنے نفس کی تسکین کی خاطر ان کا کام لڑائی جھگڑا اور کلاشنکوف کلچر کو فروغ دینے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ان میں نفس پرستی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔

اس صورتحال کا حل یہ ہے کہ تعلیم کو عام کر دیا جائے اور اسکی بنیاد قرآن مجید، سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ماڈرن سائنس پر ہو تب جا کر کہیں اجتماعی سوچ میں فرق پڑے گا اور نفس کا بھوت دماغوں سے نکلے گا۔

شرک اسلئے ظلم عظیم ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حق کو پامال کرتا ہے اور بندوں کے حقوق کو غصب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر اللہ تعالیٰ ہی کی حکومت ہو اور کسی دوسرے کی نہ ہو اور بندوں کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق بندوں کے حقوق جو بنتے ہیں، وہ ادا کیے جائیں۔ اگر یہ نہیں ہو رہا جیسا کہ حقیقتاً

نہیں ہو رہا تو ظالم کے خلاف اُٹھنے میں کون سی چیز مانع ہے سوائے اسکے کہ ہمارے ایمان کمزور ہو چکے ہیں۔

ایمان کے تین درجے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر ایک ناپسندیدہ چیز کو دیکھو تو اپنے ہاتھ سے اسکو روکو۔ اگر یہ نہیں کر سکتے تو زبان سے روکنے کی کوشش کرو۔ اگر یہ بھی نہیں کر سکتے تو دِل سے اسکو بُرا جانو اور یہ ایمان کا نچلا ترین درجہ ہے'' (ترمذی، حدیث ۱۹۹۳)۔

جب انسان شرک نفسانی میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کا وبال اس پر بھی اور معاشرے پر بھی ہوتا ہے۔ انسان معاشرے میں جتنا بڑا بنتا ہے، اتنا ہی اس کا اثر و رسوخ دوسروں پر زیادہ ہوتا ہے۔ یہ شیطانی انسان معاشرے کی اکثریت کو اپنے ساتھ بہا کر لے جاتا ہے اور پھر ان کا حساب بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اپنے لیڈر کے ساتھ ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں فرعون کے متعلق فرمایا، '' **يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ○ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ○** '' (ھود ۱۱، آیت ۹۸-۹۹)

ترجمہ ''وہ قیامت کے دِن اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا اور انکو دوزخ میں جا اُتارے گا اور جس مقام پر وہ اُتارے جائیں گے، وہ بُرا ہے۔ اور اس جہان میں بھی لعنت انکے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دِن بھی پیچھے لگی رہے گی۔ جو انعام انکو ملا، وہ بُرا ہے''۔

فرعون خود پسندی میں اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو دُنیا کا رَب سمجھنے لگا تھا۔ اس نے اعلانیہ اس بات کا اقرار ایک بڑے مجمع میں کیا۔ کہنے لگا، '' **فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ○** '' (النازعات ۷۹، آیت ۲۴) ترجمہ ''اور کہا (اپنی قوم کو) میں ہی تمہارا سب سے بڑا رَب ہوں''

نفس پرست لیڈر خود بھی ذلیل ہوتا ہے اور اپنی قوم کو بھی ذلیل کرواتا ہے۔ فرعون نے اپنی قوم کے اہم حصے کو سمندر کی نذر کر دیا۔ جو مصر میں باقی قوم بچی، زمانہ گزرنے کے ساتھ تباہ و برباد ہو کر رہ گئی پھر وہ آج تک دوبارہ اُٹھ نہیں سکی۔ اہرام مصر آپکے سامنے اس کھلی تاریخ کا ثبوت ہیں۔

مجھے ڈر لگتا ہے کہ ہمارا حشر کہیں فرعونیوں کی طرح نہ ہو۔ ہم یقیناً صَنم کو پوجنے والی

قوم تو نہیں ہیں لیکن ہم بلاشبہ نفس کو پوجنے والی قوم بن چکے ہیں۔ فرعون کی طرز کے ہمارے بھی لیڈر ہیں اور بے شمار ہیں۔ صرف ایک دو ہی نہیں، یہ آپکو ہر چوراہے پر مل سکتے ہیں اور ان میں کچھ موسیٰ بھی ہیں۔ انکے ساتھ ملک کی اکثریت شامل ہوگئی ہے۔ انکا حشر آخرت میں جو ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے لیکن یہاں ملک میں انہوں نے ذلّت اور خواری کا لبادہ اوڑھ لیا ہے اور بیرون ملک بھی انکو یہی لباس پسند ہے۔ ایسی صورت میں ایک قلیل تعداد انکے راستے کو کیسے روک سکتی ہے۔

ہاں ہاں! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ قلیل تعداد کیا کر سکتی ہے؟ میری یہ بات قدرت کو پسند نہیں آئی۔ قدرت نے کہا، ''بہت دفعہ تاریخ انسانی میں ایسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ایک قلیل تعداد نے بڑے گروہ کو شکست دی'' (البقرہ ۲، آیت ۲۴۹) بات یہاں ایمان کی ہے، ہمت کی ہے۔ کامیابی یا ناکامی تعداد پر نہیں بلکہ ایمان کی مضبوطی پر ہے۔

اُٹھو اور نفس پرستی کے بت کو پاش پاش کر دو حتی کہ نہ یہاں کوئی فرعون رَہے نہ نمرود بلکہ ساری زمین سب کیلئے یکساں ہو جائے۔ یہی سبق سب نبیوں نے دیا ہے۔ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے اور مساوی حقوق رَکھتی ہے۔ اگر آپ نے عزت کی زندگی بسر کرنی ہے۔ اگر آپ نے اپنی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کی عزت محفوظ کرنی ہے تو آج ہمت کرو، کل دیر ہو جائے گی۔ ایسی ہی دیر جیسی فرعون کو ہوئی جب اس نے ڈوبتے ہوئے کہا کہ میں موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے رَب پر ایمان لایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب وقت گزر گیا ہے۔ اُٹھو کہیں وقت گزر نہ جائے پیشتر اس کے کہ وہ وقت آئے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رَب پر ایمان لے آؤ۔ اپنے اعمال کو توحید پر استوار کرو اور فرعونوں کے سامنے ڈٹ جاؤ۔ انشاء اللہ العزیز فتح تمہاری ہی ہوگی، اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

○.....○.....○

حدیث۱۰: عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عمرو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْبَعٌ" مَنْ کُنَّ فِیْہِ کَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ کَانَتْ فِیْہِ خَصْلَۃٌ" مِنْھُنَّ کَانَتْ فِیْہِ خَصْلَۃٌ" مِنَ النِفَاقِ حَتّٰی یَدَعَھَا اِذَا اُؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَاِذَا عَاھَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ۔ (تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث۳۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ چار باتیں جس میں ہوں، وہ منافق ہے اور جس میں اِن میں سے کوئی ایک بات پائی جائے تو منافقت کی علامت ہے جب تک وہ اُسے چھوڑ نہ دے: ۱) جب اُسے اَمین بنایا جائے تو وہ خیانت کرے، ۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے، ۳) جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، ۴) جب جھگڑا کرے تو بداخلاقی کرے۔

نوٹ: ہمیں اپنے ایمان کی حفاظت کرنی چاہیے اور روزانہ اس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ ہم کہیں منافقت کی طرف تو نہیں جا رَہے۔ ان حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے منافقت کی کچھ علامات بتائی ہیں جو یہ ہیں، جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، خیانت کرنا، جھگڑے میں بداخلاقی کرنا۔ ہمیں اپنے رویے کا جائزہ لینا چاہیے اور اگر ان میں سے کوئی چیز اپنے میں پائیں تو اس کو چھوڑ دینے کی کوشش کرنی چاہیے ورنہ قیامت کے روز ندامت ہوگی

میں نے جب اپنے ایمان کا جائزہ لیا تو مجھ پر اتنا خوف طاری ہوا کہ میں کانپ اُٹھا اور میں نے مومن کی تلاش شروع کر دی۔ مجھے مومن نہ مسجدوں میں ملا، نہ خانقاہوں میں ملا، نہ پہاڑوں اور جنگلوں میں کہیں نظر آیا۔ میں تھک ہار کر بیٹھ گیا۔ اب میں اس انتظار میں ہوں کہ کوئی مجھے مومن کا پتہ بتائے۔

منافقت کا ایک نقصان تو یہ ہے کہ آخرت میں منافق کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ دوسرا نقصان اس دُنیا کا ہے کہ اسکے لیے ذلت اور خواری ہوتی ہے۔ معاشرے میں منافقت کی وجہ سے بے شمار جھگڑے پیدا ہوتے رہتے ہیں اور لوگوں کے حقوق تلف ہوتے ہیں جس سے مجموعی طور پر معاشرہ ترقی کے بجائے پس ماندہ ہوتا جاتا ہے۔

ایمان ایک بہت بڑی دولت ہے۔ مومن کیلئے کامیابی ہی کامیابی ہے۔ اس دُنیا میں دُنیاوی سربلندی اور آخرت میں اُخروی سربلندی۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''ایمان کی شاخیں ستر (۷۰) سے اوپر ہیں، ان سب میں اعلیٰ شاخ **لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ** ہے اور ادنیٰ ایمان کی شاخ یہ ہے کہ کوئی تکلیف دہ چیز راستے سے ہٹادی جائے اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے'' (مشکوٰۃ المصابیح، جلد اوّل، حدیث ۳)

میں نماز کیلئے جاتا ہوں۔ راستے میں جو کوٹھیاں آتی ہیں، انکی سبز پٹی کے ساتھ ساتھ لوگوں نے اینٹیں رَکھی ہوتی ہیں جس سے راستہ تنگ ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں تو ہے کہ راستے سے اینٹ پتھر کو ہٹا دیا جائے۔ اگر ہم خود اینٹیں رَکھ کر راستہ تنگ کر دیتے ہیں تو ہمارا ایمان کس درجے پر ہوگا۔

۱۹۷۴ء کی بات ہے کہ میں لیبیا ملازمت کیلئے جا رہا تھا۔ اِسلام آباد میں دفتر خارجہ سے اپنی تعلیمی اسناد کی تصدیق کروانی تھی۔ افسر مجاز اپنے دفتر میں اپنے دوست کے ساتھ غیر ضروری گفتگو میں مصروف تھا۔ مجھے انتظار کرنے کے لیے کہا گیا۔ میں نے انتظار کیا لیکن کوئی بلاوا نہ آیا تو میں نے ان صاحب سے کہا کہ میں لاہور سے آیا ہوں اور میں نے واپس جانا ہے، میرا کام کر دیجئے۔ اس نے کہا انتظار کریں۔ میں پھر انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد پھر اسکو میں نے درخواست کی تو غصے میں آ کر اس نے میری تعلیمی اسناد تصدیق تو کرنی شروع کر دیں مگر ایک سند کے متعلق اس نے کہا کہ میں اسکی تصدیق نہیں کروں گا۔ میں بہت پریشان ہوا لیکن جب میں لیبیا پہنچا تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے محکمہ صحت نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

جب میں اسلام آباد سے لاہور واپس آ رہا تھا تو میں ایک گہری سوچ میں ڈوب گیا کہ اِسلام آباد کے سول سیکرٹریٹ کے محلات میں کام کرنے والے افسران اور اہلکار ایمان سے اس درجہ خالی کیوں ہیں؟ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ انکو جو ٹریننگ دی جانی چاہیے تھی، وہ نہیں دی گئی بلکہ کھربوں روپے سے محلات بنا کر انکو بغیر تربیت دیئے دفتروں میں بٹھا دیا گیا۔ اگر ہم سول سیکرٹریٹ سادہ بناتے اور باقی پیسے سے حکومت کی مشینری کو صحیح خطوط پر ٹریننگ دی جاتی تو ملک کیلئے بہت ہی مفید ہوتا۔ میرا یہ یقین ہے کہ قوم کو دیواریں

نہیں بلکہ انسان بناتے ہیں۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دُنیا کی سادہ ترین مسجد تھی لیکن اس میں انسانوں کی ایسی تربیت کی گئی کہ مومنین کی ایک ایسی جماعت تیار ہوئی جس نے قلت افراد اور قلت وسائل کے ساتھ تاریخ انسانی کی قلیل ترین مدت میں ایک نہیں، دو سپر پاورز کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رَکھ دی۔ میں یقین رَکھتا ہوں کہ اگر حکومتی اہلکار کو صحیح خطوط پر ٹریننگ دے کر ان کو مومن بنایا جاتا تو نہ ہی مشرقی پاکستان علیحدہ ہوسکتا تھا اور نہ ہی القاعدہ کا بہانہ بنا کر مغربی قومیں ہمیں ذلیل کرسکتی تھیں۔ ایمان ایک بہت بڑی طاقت ہے۔ اللہ تعالیٰ مومن کے ساتھ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کس کی طاقت زیادہ ہوسکتی ہے لیکن افسوس ہے کہ حکومت کو ان باتوں کا نہ شعور ہے، نہ ہوش ہے۔

اسی قسم کے واقعات ہمارے دفاتر میں ہر روز سامنے آتے ہیں کیونکہ ہم میں ایمان کی رَمق بھی نظر نہیں آتی۔ میرے ایک رہائشی پلاٹ کے انتقال کا مسئلہ تھا اور اسکو مکمل کرنے میں ایک گھنٹے سے زیادہ وقت کی ضرورت نہیں تھی لیکن میں اسکو بڑی مشکل سے چھ مہینے میں کروا پایا۔

میری اہلیہ کا پاکستان میڈیکل کونسل کے ساتھ پروفیشنل تجربہ کے تعین کیلئے واسطہ پڑا۔ جو کام دو تین مہینے کا تھا، انہوں نے گیارہ مہینے سے زیادہ وقت لگا دیا اور پھر بھی مطلوبہ سرٹیفکیٹ جاری کرنے کا کوئی رجحان نہیں رَکھتے تھے۔ بالآخر بڑی مشکل سے یہ مسئلہ حل ہوا۔ کیا ہم واقعی مومن ہیں؟ اسکے برعکس برطانیہ کے تین بڑے ہسپتالوں سے وہ سرٹیفکیٹ جسکی بنا پر پاکستان میڈیکل کونسل نے میری اہلیہ کا تجربہ تعین کرنا تھا، ایک گھنٹے میں ہم نے حاصل کر لیے تھے۔ وہ کلمہ گو تو نہیں تھے لیکن انہوں نے مؤمنانہ صفات کا مظاہرہ کیا۔

میں سوچتا ہوں کہ یہ طریقہ زندگی جو ہمارے دفتروں میں رائج ہے، مؤمن کا تو ہو نہیں سکتا۔ اگر ہم مؤمن نہیں ہیں تو کیا ہیں؟ اِسلام آباد کے حکومتی محلات کو دیکھ کر میرا یقین ہر دفعہ پختہ سے پختہ تر ہو جاتا ہے کہ قومیں محلات سے نہیں بنتیں، انسانوں سے بنتی ہیں۔ کیسے انسان؟ وہ انسان جن کو مؤمن کہا جاتا ہے۔ وفاقی اور صوبائی حکومتوں کا حکومت کرنے کا طریقہ انتہائی ناقص ہے۔ کسی شہری کو اسکا حق نہیں مل رَہا۔ حکومت کی طرف سے کوئی ٹھوس پالیسی کسی کام کیلئے سامنے نہیں آتی۔ اسکا نتیجہ یہ ہے کہ ہم بے شمار مصیبتوں میں پھنس چکے ہیں اور ہماری حکومتیں خوابِ غفلت میں ہیں۔ یہ وہی صورت

آج ہو چکی ہے جو کسی وقت روم میں تھی کہ نیرو بانسری بجا رہا تھا اور روم جل رہا تھا۔ کیا کسی نے یہ ایسے ہی کہہ دیا ہے کہ

Not gold but only men can make,
A people great and strong,
Men who for truth and hounour's sake,
Stand fast and suffer long.

شاعر کی دُور رَس نگاہ ہمیں بتاتی ہے

(ترجمہ) ''قومیں سونا چاندی سے نہیں بنتیں بلکہ قوم کو انسان بناتے ہیں۔
وہ انسان جو حق اور عزت کی خاطر ثابت قدم رہتے ہیں
اور عرصہء دراز تک مصیبتیں جھیلتے رہتے ہیں''۔

مؤمن بننے کیلئے سخت تربیت کی ضرورت ہے لیکن تربیت کرنے والا بذاتِ خود ایک اعلیٰ درجے کا مؤمن ہونا چاہیے جسکی ہمیں تلاش ہے۔

انتظامی مشینری کے کل پرزوں میں مسلسل اصلاح کا عمل جاری رَکھنا اور نااہل کارندوں کی جواب طلبی کرنا اور چھانٹی کرتے رہنا اچھے انتظام کا حصہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دَورِ حکومت میں اہلکاروں کا ہر وقت محاسبہ ہوتا رہتا تھا جسکی بے شمار مثالیں تاریخ میں محفوظ ہیں۔ یہ طریقہ یورپ میں آج بھی دیکھنے میں آتا ہے۔ ایک ہم ہیں کہ جھوٹی گواہی دیتے ہیں لیکن کوئی مؤاخذہ نہیں ہوتا۔ ہمارا اہلکار ہر طرح کی کرپشن کر رَہا ہے لیکن کوئی جواب طلبی نہیں ہوتی۔ کرپشن کا مطلب صرف مال کی ہی خرد برد نہیں ہے، وہ تو ہر کوئی جانتا ہے لیکن وقت کی چوری، غیر منصفانہ فیصلے، ٹال مٹول سے کام لے کر سائل کا کام لٹکاتے رہنا، پوزیشن کا غلط استعمال کرنا، یہ سب کرپشن میں شامل ہیں۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے لیکن ہم پھر بھی اپنے آپکو مومن سمجھتے ہیں۔

اگر ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی عادتیں بدلنی ہوں گی اور اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نصیحتوں کو سننا اور ان پر عمل کرنا ہوگا۔ منافقت کا راستہ چھوڑ کر ایمان کا راستہ جب تک ہم اختیار نہیں کریں گے، ہم ترقی نہیں کر سکتے۔

○.....○.....○

حدیث ۱۱: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ یَقُمْ لَیْلَةَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ (تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۳۴)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیّت سے لیلۃ القدر کو قیام کرے تو اُسکے پہلے سب گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

نوٹ: لیلۃ القدر کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ اس رات قیام کا مطلب ہے فرض اور نفلی نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کرنا۔ ''بہترین نماز وہ ہے جس میں قیام لمبا ہو'' (مشکوٰۃ، باب صفات نماز، حدیث ۷۴۴)۔ اس موقع سے ہمیں فائدہ اُٹھانا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے، رشتہ داروں کے لیے اور پوری اُمت کیلئے بخشش طلب کرنی چاہیے اور دُنیا و آخرت کی نعمتیں مانگنی چاہییں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قیام رمضان کی ترغیب دیتے۔ فرماتے تھے کہ ''جو رمضان المبارک میں ایمان کے ساتھ طلب اَجر کیلئے قیام کرے تو اسکے گزشتہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں'' (مشکوٰۃ شریف، باب ماہِ رمضان میں قیام، حدیث ۱۲۲۲)۔ رمضان المبارک میں روزے کا مقصد انسان میں تقویٰ پیدا کرنا ہے۔ رات کا قیام تقویٰ پیدا کرنے میں مدد دیتا ہے۔

رمضان المبارک کے انتیس یا تیس دِنوں میں جو انسان دِن کے وقت اپنے نفس پر قابو رَکھنے کی مشق کرتا ہے اور رات کو اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتا ہے تو بہت بڑی حد تک اس میں تقویٰ کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے جس سے سال کے باقی گیارہ مہینوں میں صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے محفوظ رہنے کی توفیق ملتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے'' (سنن ترمذی، باب رات کی نماز کی فضیلت)۔ ایک اور حدیث شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اللہ تبارک وتعالیٰ ہر رات کا ایک تہائی حصہ گزرنے پر آسمانِ دُنیا پر اُتر آتے ہیں اور فرماتے ہیں، 'میں بادشاہ ہوں، کون مجھ سے دُعا مانگتا ہے؟ کہ میں اسکی دُعا قبول کروں۔ کون مجھ سے سوال کرتا ہے؟ کہ میں اسکو دوں۔ کون مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے؟ کہ میں اسکی مغفرت کروں'۔ پھر اسی طرح فرماتے رہتے ہیں یہاں تک کہ فجر روشن ہو جاتی ہے''۔ (سنن ترمذی، ابواب الصلوۃ)

رمضان المبارک ایک ایسا مہینہ ہے جس میں انسان کی اللہ تعالیٰ کے راستے میں تعلیم وتربیت کا بہترین موقع موجود ہے۔ روزہ انسان میں صبر اور تقویٰ پیدا کرتا ہے۔ تقویٰ کا مطلب یہ ہے کہ انسان ان کاموں سے بچنے کی کوشش کرے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اور ان کاموں کو کرنے کی کوشش کرے جن کو اللہ تعالیٰ نے کرنے کی ترغیب دی ہے۔ روزے کا مطلب صرف بھوکا رہنا ہی نہیں ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اس ماہ میں ہم اس بات کی مشق کریں کہ ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناپسند ہے، اس کو چھوڑ دیں اور ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند ہے، اس کے کرنے کی مشق کریں۔ اس طرح مہینہ کے آخر تک ہم میں اتنی ہمت پیدا ہو جائے گی کہ سال کے باقی گیارہ مہینوں میں ہم بہت سی ناپسندیدہ چیزوں کو چھوڑ دیں گے اور اچھے کاموں کے کرنے کی توفیق اور ملکہ حاصل ہو جائیں گے۔

انسان کی تربیت کیلئے تعلیم اور عمل کا ہونا دونوں ہی ضروری ہیں۔ اس ماہ میں قرآن مجید اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کا زیادہ سے زیادہ انتظام کریں۔ عملی طور پر اس ماہ میں عبادات اور معاملات یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد سخت پابندی سے اور اہتمام سے صحیح طریقے پر ادا کرنے کی کوشش کریں۔

اسی طرح جو کچھ آپ نے اپنی تربیت کیلئے اس ماہ میں کیا ہے، ہر صورت اسکو سال کے باقی مہینوں میں جاری رکھنے کا اہتمام کریں۔

ایک روایت ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''روزہ اور قرآن حکیم بندے کی شفاعت کریں گے۔ روزہ عرض کرے گا 'یارَب! میں نے اسے دِن میں کھانے پینے اور نفسانی خواہشات سے روکا،

اسکے بارے میں میری شفاعت قبول فرما اور قرآن مجید کہے گا کہ 'میں نے اسے رات کو سونے سے روکا، اسکے متعلق میری شفاعت قبول فرما'۔ دونوں کی شفاعت قبول ہوگی''۔ (مشکوٰۃ شریف، روزے کا بیان)

حضرت سہل ابن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''جنت کے آٹھ دروازے ہیں جن میں سے ایک 'بابُ الریّان' ہے جس میں سے صرف روزہ دار داخل ہوں گے''۔ (مشکوٰۃ شریف، روزے کا بیان)

لیلۃ القدر اللہ تعالیٰ کا خاص تحفہ ہے۔ اس تحفہ کو قبول کیجئے۔ یہ آپ کیلئے ہے، اللہ تعالیٰ اسکا محتاج نہیں ہے۔ یہ اسلئے ہے کہ وہ لوگ جو پہلے کبھی اللہ تعالیٰ کے دَربار میں حاضر نہیں ہوئے۔ اگر آج حاضر ہو جائیں تو وہ اسکی بخشش سے محروم نہیں رہیں گے اور وہ لوگ جو پہلے حاضر ہوتے رہے ہیں، انکے درجات بلند کیے جائیں گے۔

اسکی مثال ایسے ہے کہ ایک بادشاہ سال میں ایک رات ایک خاص دَربار سجاتا ہے اور ہر شخص کو مدعو کیا جاتا ہے۔ باغی اور اطاعت گزار میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔ سب آتے ہیں اور اپنا اپنا انعام لے کر چلے جاتے ہیں۔ آج انعامات کی رات ہے، حساب کتاب کی نہیں، ڈانٹ ڈپٹ کی نہیں، کسی وارننگ کی نہیں۔ آج بخشش تقسیم کرنے کی رات ہے۔ آج معاف کر دینے کی رات ہے۔ یہ سلسلہ صبح تک بادشاہ جاری رَکھتا ہے اور اسکی آنکھیں انکی متلاشی ہیں جو آج بھی نہیں آئے کیونکہ وہ اپنی رعایا سے بہت محبت کرتا ہے۔ اسی طرح صبح تک وہ اپنی نعمتیں تقسیم کرتا رہتا ہے۔ جو آیا، وہ لے گیا اور جو نہیں آیا، وہ محروم رہا۔ بادشاہ کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ نہ آنے والے نے اپنا ہی نقصان کیا۔

اسی طرح شہنشاہِ ارض وسماوات نے سال میں ایک خاص رات یعنی لیلۃ القدر اپنے بندوں کو نوازنے کیلئے مقرر کر رَکھی ہے۔ اپنے لیے نہیں، وہ تو بے نیاز ہے بلکہ اپنے بندوں کیلئے کیونکہ وہ محتاج ہیں اور وہ ان سے بے پناہ محبت فرماتا ہے۔ اتنی محبت نہیں جتنی دُنیا کا بادشاہ اپنی رعایا سے کرتا ہے بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ..... کتنی زیادہ؟..... دَس گنا یا سو گنا یا ہزار گنا؟..... نہیں، نہیں..... بلکہ اسے ہم شمار نہیں کر سکتے۔ جیسے وہ خود لامحدود ہے، اسکی رَحمت اور بخشش بھی لامحدود ہے۔ ہم اسکی رَحمتوں کا شمار نہیں کر سکتے۔ یہ ہماری گنتی میں نہیں آتیں۔ ہماری گنتی ختم ہو جاتی ہے لیکن اسکی رَحمتیں اور بخششیں ختم نہیں ہوتیں۔

یہ جو قرآن مجید میں آیا ہے کہ لیلۃ القدر ہزار راتوں سے بہتر ہے، یہ تو انسانی ذہن کو جو کہ محدود ہے، مدنظر رکھتے ہوئے فرمادیا گیا ہے ورنہ اسکی رَحمتوں کا شمار کرنا ہمارے بس میں نہیں ہے۔

اس رات اللہ تعالیٰ اپنا خاص دَربار سجاتا ہے اور ہر ذی روح اور غیر ذی روح کے لیے جو فیصلہ آئندہ سال کیلئے ہوتا ہے۔ زمین کے انتظام پر مامور فرشتوں کے حوالے فرما دیتا ہے۔ یہ فیصلہ حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ جشن غروبِ آفتاب سے لے کر طلوع فجر تک جاری رہتا ہے۔ دعوت عام ہوتی ہے۔ ''فِیۡهَا یُفۡرَقُ کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ ۝ اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَاؕ اِنَّا کُنَّا مُرۡسِلِیۡنَ ۝ رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّکَؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ۝'' (الدخان۴۴، آیت۳-۶) ترجمہ ''اس رات تمام حکمت کے اُمور ہمارے یہاں سے فیصل ہوکر جاتے ہیں۔ بلاشبہ ہم ہی آپکو رسول بنانے والے ہیں۔ یہ آپکے رَب تعالیٰ کی طرف سے رَحمت ہے۔ وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے''۔

اگر آپ اس وقت جب اللہ تعالیٰ آپ کیلئے آئندہ سال کیلئے قسمت کا فیصلہ فرما رہا ہوتا ہے، آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے اسکے دَربار میں موجود ہوں تو اللہ تعالیٰ آپکی حاضری کی لاج رَکھتا ہے خواہ آپ نے ساری عمر حاضری نہ دی ہو۔ آج انعامات کی رات ہے، آج بخش دینے کی رات ہے۔ جو حاضر ہوا، بخشا گیا اور انعامات سے بھری جھولی لے کر پلٹا ہے۔ جو آج بھی غیر حاضر رہا، محروم رہا۔

یہ مت خیال کیجئے کہ آپ نے تو کبھی نماز نہیں پڑھی، کبھی روزہ نہیں رَکھا، آج میری بخشش کیسے ہوگی؟ ارے بھائی! یہ آپ ہی کیلئے تو جشن کیا جارہا ہے کہ جو محروم ہیں، انکو دیا جائے۔ جو باغی ہیں، انکو گلے لگایا جائے۔ جو شیطان کے چنگل میں پھنس چکے ہیں، انکو چھڑایا جائے۔ جن پر جہنم واجب ہوچکی ہے، ان پر جنت واجب کی جائے۔

کیا آپ نے یہ حدیث شریف نہیں سنی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''یوم الحساب کو ایک شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوگا۔ وہ اپنے سامنے اور دائیں بائیں اپنے گناہوں سے بھرے ہوئے رجسٹر دیکھے گا۔ انکو دیکھ کر وہ جہنم کی طرف چل پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا، 'کدھر جارہے ہو؟' عرض کرے گا، 'جہنم کی طرف، میرا انجام میرے سامنے ہے'۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، 'نہیں، نہیں، ایسا نہیں ہے، میری بات سنو اور یہ

پرزہ فرشتوں کے پاس لے جاؤ اور انکو کہو کہ اسکو وہ تمہارے ان گناہوں کے مقابلہ میں تولیں۔ وہ کہے گا کہ 'یا اللہ! تو مجھ سے مذاق کر رہا ہے۔ کہاں یہ پرزہ، کہاں وہ ڈھیروں میرے گناہوں کے رجسٹر'۔ اللہ تعالیٰ کے اصرار پر وہ پرزہ لے کر فرشتوں کے پاس چلا جائے گا۔ فرشتے اس پرزہ کو ایک پلڑہ میں رکھیں گے اور دوسرے پلڑہ میں وہ بے شمار گناہوں کے رجسٹر۔ وہ دیکھ کر حیران رہ جائے گا کہ یہ پلڑہ تمام گناہوں سے بھاری نکلا۔ وہ خوشی خوشی اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹے گا اور عرض کرے گا کہ ''یا باری تعالیٰ! یہ پرزہ تو باقی گناہوں سے بھاری نکلا'۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ 'اس پرزہ پر لکھا ہوا تھا 'لا الہ الا اللہ' جو تو نے اپنے زندگی میں ایک دفعہ پورے ایمان اور یقین کے ساتھ کہا تھا۔ ہم نے اسکو ضائع نہیں کیا۔ آج کے دِن تمہارے لیے محفوظ رکھا' پھر اللہ جلّ شانہ فرشتوں کو حکم فرمائے گا کہ اسکو جنت میں لے جاؤ''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ میں مدینہ طیبہ میں اعلان کر دوں کہ جو بھی 'لا الہ الا اللہ' کا اقرار کرلے گا، وہ جنت میں ضرور جائے گا۔ (مشکوٰۃ شریف، باب کتاب الایمان)

گذشتہ زندگی آپکی جیسی بھی گزری سو گزری، روزہ کبھی رکھا یا نہیں رکھا، کبھی نماز پڑھی یا نہیں پڑھی۔ فکر نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے، ''**قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○**'' (الزمر ۳۹، آیت ۵۳) ترجمہ ''اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اعلان کر دیجئے۔ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ تو سب گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ یقیناً وہ بڑا بخشنے والا، بڑا رحم فرمانے والا ہے''۔

لیلۃ القدر کو غنیمت سمجھیں۔ یہ رات آپ کیلئے ہے، اللہ تعالیٰ تو اسکا محتاج نہیں ہے۔ اُٹھیے! ہمت کیجئے، وضو کیجئے اور اچھی طرح وضو کیجئے۔ اگر وضو کرنا نہیں آتا تو کسی دوست یا رشتہ دار سے پوچھئے۔ شرمایئے مت۔ آج کا شرمانا آپکو نقصان دے گا۔ اگر آج نہیں شرمائیں گے تو کل ندامت سے بچ جائیں گے ورنہ ہمیشہ کیلئے ندامت ہوگی۔ وضو کر کے مسجد میں جائیں اور نمازِ عشاء اور تراویح میں شامل ہو جائیں۔ اگر آپکو نماز

پڑھنی نہیں آتی تو غم نہ کریں، پڑھنے والوں میں شامل ہو جائیں، آپکی نماز بھی قبول ہو جائے گی اور لیلۃ القدر کا قیام بھی قبول ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نیّت پر اَجر عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نیّت دیکھتا ہے۔ کیا آپ نے یہ حدیث شریف سنی ہے؟

ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ کچھ لوگ ذکر واذکار میں مصروف تھے۔ ایک آدمی کا ادھر سے گزر ہوا۔ اس نے مجمع دیکھا تو بیٹھ گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے پوچھا کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ فرشتوں نے عرض کیا کہ یاباری تعالیٰ! یہ تیرا ذکر کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ گواہ رہو، میں نے ان سب کو بخش دیا۔ فرشتوں نے کہا کہ ایک شخص ان میں ایسا ہے جو یونہی آ کر بیٹھ گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اس کو بھی ان کے ساتھ بخش دیا۔

کیا ابھی بھی آپ شک میں ہیں؟ کہ اللہ تعالیٰ کی بخشش کا کوئی کنارہ نہیں۔ وہ آدمی تو بغیر نیّت کے ذکر کرنے والوں میں بیٹھ گیا تھا تو کیا آپ جب نیّت کر کے ذکر کرنے والوں میں شامل ہوں گے، بخشش سے محروم رہیں گے۔ ہرگز نہیں جیسا میں نے پہلے ذکر کیا ہے کہ اسکی بخشش کا کوئی کنارہ نہیں۔ ذرا ہمت کیجئے، آج کی پوری رات یا اسکا کچھ حصہ ذکر کرنے والوں میں شامل رہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بہترین ذکر ''**لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ**'' ہے۔

○.....○.....○

حدیث ۱۲: عَنْ اَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ انْتَدَبَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لِمَنْ خَرَجَ فِيْ سَبِيْلِهٖ لَا يُخْرِجُهٗ اِلَّا اِيْمَانٌ بِيْ وَ تَصْدِيْقٌ بِرُسُلِيْ اَنْ اَرْجِعَهٗ بِمَا نَالَ مِنْ اَجْرٍ اَوْ غَنِيْمَةٍ اَوْ اُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ وَلَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِيْ مَا قَعَدْتُ خَلْفَ سَرِيَّةٍ وَلَوَدِدْتُّ اَنِّيْ اُقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلُ۔ (تفہیم البخاری، جلد اوّل، حدیث ۳۵)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ نے اُس شخص کیلئے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیلئے نکلے اور اِسکو جہاد کیلئے صرف مجھ پر ایمان لانے اور میرے رسولوں کی تصدیق ہی نے نکالا ہو، یہ ذمہ لیا ہے کہ اُسے ثواب یا غنیمت کے ساتھ واپس کرے یا قتل ہونے کی صورت میں اُسے جنت میں داخل کرے۔ اگر میں اپنی اُمّت پر دشوار نہ سمجھتا تو میں کسی چھوٹے لشکر سے بھی پیچھے نہ رہتا۔ میں اس بات سے محبت کرتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کر دیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کر دیا جاؤں۔

نوٹ: ''جہاد'' وسیع مفہوم کا حامل ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں جو بھی محنت، کوشش، مشقت خلوصِ نیّت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خاطر کی جاتی ہے، جہاد میں شامل ہے۔ اصطلاحًا یہ اب فوجی کارروائی کیلئے زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

سرحدوں کی حفاظت ایک بہترین جہاد ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ قوموں کی زندگی میں ملکی دفاع ہمیشہ ہی سرفہرست رہا ہے۔ آپکا اور میرا مشاہدہ بھی ہے کہ جس قوم کی عسکری قوت مضبوط ہوتی ہے، وہی قوم مضبوط سمجھی جاتی ہے۔ مجاہد وہی نہیں ہے جو میدانِ جنگ میں لڑتا ہے بلکہ ہر وہ شخص جو فوجی کا بلاواسطہ یا بالواسطہ معاون بنتا ہے، مجاہد ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''جس نے مجاہد کی مدد کی، اسکو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا مجاہد کو'' (ابن ماجہ، باب ۲۳۵)۔ جو درزی سپاہی کی وردی سی رہا ہے، وہ بھی مجاہد ہے۔ جو

بندوق بنانے والا مزدور فیکٹری میں کام کر رہا ہے، وہ بھی مجاہد ہے۔ جو سائنس کی لیبارٹری میں دفاعی نقطہ نظر سے ریسرچ کر رہا ہے، وہ بھی مجاہد ہے۔ اس طرح قوم کا ہر شخص اپنے روزمرہ کے کام کاج میں جہاد کا ثواب حاصل کرسکتا ہے اگر وہ اپنی نیّت کو درست کر کے اپنی تمام کاوشوں کا رُخ اللہ تعالیٰ کی طرف کردے۔

ملکی افواج کا ہاتھ مضبوط کرنے کیلئے ٹھوس بنیادوں پر ہر نوجوان مرد اور عورت کو فوجی تربیت دی جانی چاہیے۔ حکومت کو سنجیدگی سے سوچنا چاہیے کہ یہ قدم موجودہ حالات میں انتہائی ضروری ہے۔

افواج کے ساز و سامان کیلئے ایک مضبوط معیشت بے حد ضروری ہے۔ کمزور معیشت فوج کو مضبوط نہیں کرسکتی، نہ ہی دوسرے ملکوں سے فوجی ساز وسامان لے کر ہم فوج کو مضبوط کرسکتے ہیں۔ طاقتور فوج کا وجود تب ہی ممکن ہے جب ہم اپنے وسائل سے کام لیں۔ ملکی معیشت کو ٹھوس بنیادوں پر استوار کریں۔ یہ حکومت اور ماہرین معیشت کا کام ہے۔ اس پر میں تبصرہ کرنے سے گریز کروں گا لیکن ہماری زندگی کے بعض شعبے ایسے ہیں جہاں ہم بیجا دولت ضائع کیے جا رہے ہیں۔ اگر ہم اس دولت کو ملکی معیشت کی ترقی میں لگائیں تو ہمارا دفاع لازماً مضبوط ہو جائے گا۔ ایسا ہی ایک شعبہ ہاؤس بلڈنگ کا ہے۔ موجودہ رہائشی کالونیوں نے پُرتعیّش زندگی کو جنم دیا ہے۔ ہر آدمی بڑھ چڑھ کر خوبصورت سے خوبصورت گھر بنانے کی فکر میں ہے۔ گو معاشرے کا یہ ایک قلیل طبقہ ہے لیکن معیشت کو کنٹرول کرنے والا یہی گروہ ہے۔ بدترین جگہ جہاں انسان پیسہ خرچ کرتا ہے، وہ گھر ہے۔ کیمیائے سعادت میں حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ''چھ گز سے زیادہ عمارت بلند کرنے والا مغضوبِ خدا تعالیٰ و رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دفعہ اپنے گھر کی لپائی کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''اے عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! آخرت کے گھر کی فکر کرو''۔ ایک انصاری نے ایک خوبصورت مکان بنایا۔ ایک دِن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اس محلّہ میں سے گزر ہوا تو پوچھا، ''یہ بلند عمارت کس کی ہے؟'' صحابہ نے عرض کیا کہ ''فلاں انصاری کی''۔ جب وہ انصاری مسجد میں آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سلام عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسکے سلام کا جواب نہیں دیا۔ وہ صاحب سمجھ

گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ناراض ہیں۔ پاس بیٹھے ہوئے صحابہ سے پوچھا کہ ''کیا بات ہوسکتی ہے؟'' انہوں نے بتایا کہ ''جب ہم تمہارے مکان کے پاس سے گزر رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا تھا کہ ''یہ مکان کس کا ہے؟'' وہ صاحب اسی وقت اُٹھتے ہیں اور اپنے مکان کو گرا دیتے ہیں۔ ایک دفعہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وہاں سے گزرے تو وہ عمارت نہ دیکھی۔ پوچھا کہ ''اس عمارت کا کیا ہوا؟'' لوگوں نے عرض کیا کہ ''اسکے مالک نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ناراضگی کی وجہ سے گرا دیا'' تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''ہر تعمیر اس کے بانی پر وبال ہے سوائے اس کے جسکی اسے ضرورت ہے'' (مشکوٰۃ المصابیح، حدیث ۴۹۵۱)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دِن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے پاس سے گزرے اور ہم اپنی جھونپڑیاں ٹھیک کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہم سے فرمایا، ''یہ کیا کر رہے ہو؟'' ہم نے عرض کیا، ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! ہم اس کی مرمت کر رہے ہیں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''موت اس سے بھی زیادہ جلد آنے والی ہے کہ جتنی دیر میں تمہارے مکان کی مرمت ہو'' (ابن ماجہ، جلد دوم، حدیث ۱۹۶۲)۔ حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بستر علالت پر فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ سنا کہ ''انسان کو ہر خرچ میں ثواب ملتا ہے سوائے مٹی پر خرچ کرنے کے'' یا یوں فرمایا کہ ''سوائے عمارت پر خرچ کرنے کے'' (ابن ماجہ، جلد دوم، حدیث ۱۹۶۵)۔

یوں اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ یا تو خوبصورتی کیلئے لپائی کر رہے تھے یا اس وقت لپائی کی ضرورت نہیں تھی یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ موقع کو غنیمت سمجھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ بتانا چاہتے تھے کہ جس طرح تم دُنیا کے گھر کی فکر کر رہے ہو، آخرت کے گھر کی فکر بھی کرو اور زیادہ کرو۔ تعلیم کا یہ مؤثّر ترین طریقہ ہے کہ عین موقع پر بات کی جائے۔

حکومت کو چاہیے کہ ان پُرتعیّش رہائشی کالونیوں کو کنٹرول کر کے دولت کے ضیاع کو روکنے کا بندوبست کرے۔ رہائشی پلاٹ ایک کنال سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ بہتر یہ ہے کہ دَس مرلے سے زیادہ نہ ہو۔ مکان بنانے کے اخراجات میں قانون کے ذریعے

کمی کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔میرا ذاتی تجربہ ہے کہ اگر مکان سادہ ہوتو اس پر پچاس فیصد لاگت کم کی جاسکتی ہے۔ باقی پچاس فیصد ملکی صنعت میں لگانے کی ترغیب دینی چاہیے۔اس سے ملکی ترقی بھی ہوگی اور متعلقہ شخص کو مزید آمدنی بھی میسر آئے گی اور بے روزگاری بھی کم ہوتی جائے گی۔مکان کا جو مقصد ہے کہ انسان کو تحفظ دے، وہ سادہ مکان بھی اسی طرح مقصد پورا کرسکتا ہے جیسا ایک قیمتی مکان۔اگر ہم اپنی نیّت کو خالص کرلیں اور اپنے مکانوں پر بیجا خرچ کرنے کی بجائے ملکی صنعت میں پیسہ لگائیں اور اس نیّت سے لگائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو اور افواج کو مضبوط سے مضبوط تر کرے تو یہ قدم آخرت میں اس کے لیے ایک خیر کثیر کا ذریعہ ہوگا۔انفرادی اور اجتماعی معاشیات کو کنٹرول کرنا اور لوگوں پر کڑی نظر رَکھنا حکومت کا کام ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نبی ہونے کے ساتھ ساتھ ریاست مدینہ طیبہ کے حکمران بھی تھے اور عوام پر کڑی نظر رَکھتے تھے۔

رہائشی کالونیوں کے علاوہ شادی بیاہ کی تقریبات پر بھی ہم بہت پیسہ ضائع کرتے ہیں۔یہاں بھی ہمیں سادگی اپنانے کی عادت ڈالنی چاہیے اور بچا ہوا پیسہ ملکی صنعت میں لگانے کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔شادی کی تقریبات کم ہونی چاہییں۔سوائے نکاح اور ولیمہ کے باقی تقریبات کو بند کردینا ہمارے ذاتی اور ملکی فائدے میں ہے۔مہمانوں کی تعداد پر بھی توجہ دینی چاہیے۔صرف وہی مدعو کیے جائیں جو دونوں طرف سے قریب ترین رشتہ دار ہوں۔ایسی باتوں کیلئے قانون سے بھی مدد لی جاسکتی ہے۔

ہماری مساجد کہنے کو تو قرآن حکیم اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مدارس ہیں لیکن وہاں بھی بے شمار مواقع ایسے ہیں جہاں پیسے کا ضیاع ہورہا ہے۔مسجد بھی بالکل سادہ ہونی چاہیے۔بلاوجہ تزئین اسراف میں شامل ہے۔قرآن حکیم میں ہے ''اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوْرًا ○'' (بنی اسرائیل ۱۷، آیت ۲۷) ترجمہ ''یقیناً اِسراف کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رَب کا ناشکرا ہے''۔مسجدوں میں غیر ضروری اور بیجا اخراجات کو کم کرکے زیادہ پیسہ تعلیم وتربیت پر لگانا چاہیے جس سے قوم کا فکری معیار بلند ہوگا۔قرآن حکیم اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم پر جو بھی پیسہ خرچ کیا جائے گا، اس نیّت سے کہ

اللہ تعالیٰ ہمیں تعلیم کے میدان میں اقوامِ عالم پر غلبہ دے تو یہ کام جہاد سے بھی افضل تر بن جاتا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم میں سے بہترین انسان وہ ہے جو قرآن حکیم کو سیکھتا ہے اور سکھاتا ہے'' (ترمذی، حدیث ۲۷۰۴)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ایک فقیہ شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے بھی زیادہ سخت ہے'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''عالم کی عابد پر اس طرح فضیلت ہے جس طرح چاند کی ستاروں پر'' (ترمذی، حدیث ۲۴۸۷)۔ ایک اور حدیث شریف میں ارشاد مبارک ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''عالم کو عابد پر وہی فضیلت ہے جو مجھے تمہارے ادنیٰ ترین آدمی پر ہے''۔ پھر فرمایا ''یقیناً اللہ تعالیٰ، فرشتے اور تمام اہل زمین و آسمان یہاں تک کہ چیونٹی اپنے بل میں اور مچھلیاں تک ایسے شخص کیلئے دُعائے خیر کرتے ہیں جو لوگوں کو بھلائی کی باتیں سکھاتا ہے'' (ترمذی، حدیث ۲۴۹۱)۔ یہ ہماری سخت غلطی ہے کہ ہمارا سارا زور مادی وسائل کو اکٹھا کرنے پر ہے حالانکہ مادی وسائل ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ اوّلین حیثیت جس بات کو ہے، وہ ایمان کی بلندی اور پختگی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ''**یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ۝**'' (الانفال ۸، آیت ۶۵) ترجمہ ''اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو۔ اگر تم میں بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو کافروں پر غالب رہیں گے۔ اور اگر سو (ایسے) ہوں گے تو ہزار پر غالب رہیں گے۔ اسلئے کہ کافر ایسے لوگ ہیں کہ کچھ بھی سمجھ نہیں رکھتے''۔ اس آیت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ عسکری قوت اور عسکری فتح یا ناکامی کا انحصار ایمانی قوت پر ہے۔ یہ ایمانی قوت قرآن حکیم اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرنے سے آتی ہے۔ قرآن حکیم کے صرف الفاظ ہی پڑھ لینے سے نہیں آتی جسکا معمول ہماری مسجدوں میں بنا ہوا ہے۔

فوج کے علاوہ جو بھی تلوار اس نیّت سے اُٹھائے گا کہ وہ جہاد کر رہا ہے، وہ سخت غلطی پر ہے۔ وہ یا تو باغی ہے یا دہشت گرد ہے، مجاہد ہرگز نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے وقت سے لے کر آج تک جہاد کا یہی اصول رہا ہے کہ یہ کسی ایک فرد یا گروہ کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ یہ حکومت وقت کی ذمہ داری ہے۔ حکومت وقت کی اطاعت کرنا ہر شہری پر فرض ہے۔ حکومت کا ساتھ نہ دینا اور اَمن عامہ کو تہہ و بالا کرنا بغاوت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے فرمایا، ''ایک وقت آئے گا کہ تمہارے حکمران ظالم و جابر ہوں گے''۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا انکے خلاف ہمیں جہاد کرنا چاہیے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''ہرگز نہیں بلکہ انکی بات کو سنو اور انکی اطاعت کرو'' (ترمذی)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا، ''اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اگر کسی حبشی کو بھی تمہارا اَمیر بنا دیا جائے جو اگرچہ کن کٹا ہی کیوں نہ ہو، تم لوگوں پر اس کی بات سننا اور اطاعت کرنا واجب ہے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق احکام جاری کرے'' (ترمذی، حدیث ۱۵۵۵)۔

○.....○.....○

حدیث ۱۳: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ اِذَا اَحْسَنَ اَحَدُکُمْ اِسْلَامَهٗ فَکُلُّ حَسَنَةٍ یَعْمَلُهَا تُکْتَبُ لَهٗ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰی سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ وَکُلُّ سَیِّئَةٍ یَعْمَلُهَا تُکْتَبُ لَهٗ بِمِثْلِهَا ۔(تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۴۰)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''جب تم میں سے کوئی اِسلام کے ساتھ اچھا کام کرتا ہے تو ہر کام جو وہ کرتا ہے، اسکا اَجر اس کیلئے دَس گنا سے لے کر سات سو گنا تک لکھا جاتا ہے اور جب وہ برائی کرتا ہے تو اسکے لیے ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے''۔

نوٹ: سبحان اللہ! ذرا دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کتنا رحیم و کریم ہے کہ وہ ایک نیکی پر دَس سے لیکر سات سو گنا تک اَجر دیتا ہے جبکہ بدی کی سزا صرف ایک ہی بدی کے برابر دیتا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''جو مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں۔ جو مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ایک باع قریب ہوتا ہوں۔ جو میری جانب آہستہ آہستہ آتا ہے تو میں اس کی جانب دوڑ کر آتا ہوں۔ جو شخص مجھ سے زمین بھر کر گناہوں سے ملے گا، میں اتنی ہی مغفرت کے ساتھ اس سے ملوں گا'' (سنن ابن ماجہ، حدیث ۱۶۱۶)۔ ایک اور حدیث شریف میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں۔ اگر وہ میرا دِل میں ذکر کرتا ہے تو میں بھی دِل میں ذکر کرتا ہوں۔ اگر وہ میرا لوگوں کے سامنے ذکر کرتا ہے تو میں بھی ان لوگوں کے سامنے ذکر کرتا ہوں جو ان سے بہتر ہیں یعنی فرشتے'' (سنن ابن ماجہ، حدیث ۱۶۱۷)۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی رَضا کی خاطر ثواب کی نیّت سے روزمرہ کی زندگی میں جہاں اور جب موقع ملے، چھوٹی بڑی نیکی کرنے کا عزم رَکھیں اور اللہ تعالیٰ سے اَجرِ عظیم کی توقع رَکھیں۔

قرآن حکیم میں ہے کہ ''مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ وَاسِع'' عَلِیْم''○''(البقرہ۲،آیت۲۶۱)ترجمہ ''جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، انکے مال کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیں اُگیں اور ہر بال کے اندر سو سو دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے، زیادہ فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور جاننے والا ہے''۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک اٹل قانون (Universal Truth) ہے۔

اَجر میں تفاوت حالات، خلوص اور تقویٰ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ حالات اس طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک آدمی قرآن حکیم سیکھنے کیلئے دُور جاتا ہے، مالی اور بدنی مشقت اُٹھاتا ہے جبکہ دوسرا آدمی اپنی بستی کے عالم سے سیکھتا ہے۔ دونوں کے اَجر میں فرق ہوگا۔ ایک آدمی کا جذبہ اور خلوص صدقہ میں یہ ہے کہ جو کچھ اسکے پاس موجود ہے، وہ اُٹھا کر سائل کو دے دیتا ہے اور خود بھوکا رہتا ہے جبکہ دوسرا شخص سائل کو کچھ دیتا ہے اور کچھ اپنے لیے رَکھ لیتا ہے تو دونوں کے درجات میں فرق ہے۔ غزوۂ تبوک کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو گھر کا سارا سامان لے آئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آدھا لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ دونوں کا فرق واضح ہے۔

اعلانیہ نیکی کرنے سے دوسروں کو ترغیب ہوتی ہے۔ جتنے لوگ بھی اس ترغیب سے نیکی کرتے جائیں گے، قیامت تک انکا اَجر اسکے نامہ اعمال میں بھی لکھا جاتا رہے گا جس نے نیکی کی ابتدا کی تھی۔ اس طرح ابتدا کرنے والے کا ثواب دَس سے لے کر سو گنا کے حساب سے ملتا رہے گا۔

ایک بُرائی کا بدلہ ایک بُرائی ہی ہے۔ جو بھی اس بُرائی کی ابتدا کرے گا اور دوسروں کو ترغیب دے گا تو بُرائی کرنے والوں کا ایک ایک گنا ابتدا کرنے والے کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہے گا لہٰذا عقلمندی یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو بُرائی سے روکے اور نیکی کو فروغ دے۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جس نے کوئی اچھا طریقہ جاری کیا اور اس میں اس کی اتباع کی گئی تو اس کے لیے بھی اس کے اتباع کرنے والوں کے برابر ثواب ہوگا اور ان کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی اور اگر کسی نے بُرائی کے کسی طریقے کو رواج دیا اور لوگوں نے اس کی اتباع کی تو اس کے لیے بھی اتنا ہی گناہ ہوگا جتنا اسکی اتباع کرنے والوں کو اور انکے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی'' (ترمذی، جلد دوم، حدیث ۲۴۸۱)۔

نیکی کا اَجر کیا ہے؟

اسکے فائدے دُنیا اور آخرت میں بیشمار ہیں۔ دُنیا کا اَجر یہ ہے کہ نیکی کی برکت سے مزید اچھے کام کرنے کی توفیق ملتی ہے۔ دُنیا کی مصیبتیں کم آتی ہیں۔ جو آتی ہیں، اللہ تعالیٰ انکو جلدی رفع فرما دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے مال اور اولاد میں ترقی دیتا ہے۔ معاشرے میں عزت کا مقام ملتا ہے اور انکے علاوہ بیشمار اللہ تعالیٰ کی نعمتیں جنکا تحریر میں لانا مشکل ہے، انسان کو ہر دَم ملتی رہتی ہیں جنکا اُسکو کبھی تو شعور ہو جاتا ہے لیکن اکثر دفعہ اسکو ان نعمتوں کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

آخرت کی نعمتیں نیک کام کرنے والوں کے لیے ایسی ہیں جنکے متعلق ایک حدیث شریف کے واسطہ سے بیان کر دینا کافی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کے لیے وہ نعمتیں مہیا کر رَکھی ہیں جن کے متعلق کسی انسان نے نہ کبھی سنا، نہ کبھی اس کے دِل میں گمان گزرا اور نہ کبھی اس نے انکو دیکھا'' (مشکوٰۃ المصابیح، حدیث ۵۳۶۵)۔

بُرائی کے بھی دو اَجر ہیں یعنی دو نقصان ہیں۔ ایک دُنیا کا نقصان اور ایک آخرت کا۔ دُنیا کا نقصان یہ ہے کہ بُرائی کی نحوست سے شیطان انسان کا ساتھی بن جاتا ہے اور وہ اس سے ہر کام اُلٹا کروانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح اسکا چوبیس گھنٹے کا معمول غلط کام کرنے کا بن جاتا ہے جس میں وہ ایسا جکڑا جاتا ہے کہ اس سے چھٹکارا مشکل ہوتا ہے مثلاً آج بیمار ہے، کل ایک لڑائی جھگڑے میں ملوث ہو جاتا ہے۔ ابھی بیماری دُور نہیں ہوئی، مقدمہ بازی شروع ہو جاتی ہے۔ مقدمہ ختم نہیں ہوا تو رشتہ داروں سے تعلقات ٹوٹ جاتے ہیں۔ ابھی تعلقات بحال نہیں ہوئے، ہمسایوں سے لڑائی شروع ہو جاتی ہے۔ گھر سے آرام سے نکلتا ہے، راستے میں حادثہ ہو جاتا ہے۔ مرتے مرتے بچتا ہے۔ ابھی بستر

علالت پر پڑا ہے، خبر ملتی ہے کہ بچہ بیمار ہو گیا ہے۔ اس طرح مصیبتوں کا ایک لامتناہی سلسلہ چلتا رہتا ہے جسکو وہ خود حل کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن چونکہ اسکا ہر قدم شیطان کے کنٹرول میں ہے، ہر مصیبت حل ہونے کے بجائے پہلے سے زیادہ شدت اختیار کر لیتی ہے۔ ایسے حالات سے چھوٹنے کے دو ہی طریقے ہوتے ہیں۔ یا تو اسی طرح وہ موت کی گود میں چلا جاتا ہے یا پھر اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے اسکو توبہ کی توفیق دے دیتا ہے۔

بُرائی کا دوسرا نقصان آخرت کا نقصان ہے جسکے متعلق اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ وہ ایسی آگ میں پھینکا جائے گا جسکا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہے گا۔ ''..... **فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ۝** '' (البقرہ۲، آیت۲۴) ترجمہ ''تو اُس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے (اور جو) کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے''۔

یاد رکھیے کہ جیسے نیکی نیکی کو جنم دیتی ہے اسی طرح بُرائی بُرائی کو جنم دیتی ہے۔ اب فیصلہ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خاطر اچھے کام کر کے ہم دونوں جہان کی نعمتیں سمیٹنا چاہتے ہیں یا بُرے کام کر کے دونوں جہان کی مصیبتیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے، ''**وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ** '' (الزخرف۴۳، آیت۳۶) ترجمہ ''جو اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس پر شیطان مسلط کر دیتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر کی بہترین صورت نماز کا قیام، فہم قرآن حکیم کا اہتمام اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں غور و فکر کرنا ہیں۔

○.....○.....○

حدیث ۱۴: عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ یُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ فِیْ قَلْبِہٖ وَزْنُ بُرَّۃٍ مِّنْ خَیْرٍ وَ یُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ فِیْ قَلْبِہٖ وَزْنُ ذَرَّۃٍ مِّنْ خَیْرٍ۔ (تفہیم البخاری، جلد اوّل، حدیث ۴۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''دوزخ سے پہلے وہ لوگ جنہوں نے لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ کہا اور انکے دِل میں جو کے برابر خیر ہو، نکال لیے جائیں گے پھر وہ لوگ جنہوں نے لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ کہا اور انکے دل میں گندم کے دانہ کے برابر خیر ہو۔ پھر وہ لوگ جنہوں نے لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا اور انکے دِل میں ذرہ برابر بھی خیر ہو''۔

نوٹ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم فرمایا کہ میں مدینہ طیبہ میں جا کر اعلان کردوں کہ جو بھی ''لا الہ الا اللہ'' پڑھ لے گا، وہ جنت میں ضرور جائے گا۔ (مشکوٰۃ شریف، باب کتاب الایمان) ''لا الہ الا اللہ'' کا پڑھنا خلوصِ نیّت کی شرط کے ساتھ ہے۔ صرف پڑھنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ پورے یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان لایا جائے کہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسری ایسی ہستی نہیں ہے جو کہ عبادت کے لائق ہے۔ کسی مصلحت کی خاطر زبان سے پڑھ لینا، وہ ایمان کا حصہ نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ طیبہ میں بہت سے لوگ ایسے تھے جو زبان سے کلمہ تو پڑھتے تھے لیکن دِل سے اقرار نہیں کرتے تھے۔ قرآن مجید نے انکو منافقین کہا اور ہمیں بتایا گیا کہ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ ''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝'' (البقرہ ۲، آیت ۸) ''اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَھُمْ نَصِیْرًا ۝'' (النساء ۴، آیت ۱۴۵) ترجمہ ''لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لائے لیکن وہ مومن نہیں (آیت ۸)۔ منافقین جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور تم ان کا کسی کو مددگار نہ پاؤ گے

(آیت ۱۴۵)''۔

پورے یقین کے ساتھ اقرار کرنے کے بعد انسان سے جو غلطی سرزد ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ اسکو معاف فرمانے والا ہے۔ ایک اور حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''سب انسان خطا کار ہیں۔ بہترین خطا کار وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتا رہتا ہے''۔ ایک اور حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم گناہ کرنے کے بعد میری مغفرت تلاش نہیں کرو گے تو میں ایک دوسری مخلوق کو پیدا کر دوں گا جو گناہ کرنے کے بعد مجھ سے مغفرت طلب کرے گی''۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے ''**قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○**''(الزمر ۳۹، آیت ۵۳) ترجمہ ''اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! اعلان فرما دیجئے۔ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ تو سب گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ یقیناً وہ بڑا بخشنے والا، بڑا رحم فرمانے والا ہے''۔

کلمہ طیبہ کا زبان سے پڑھنے اور دِل سے اقرار کر لینے سے انسان توحید کا اقرار کرتا ہے اور توحید پر ایمان انسان کیلئے جنت کو واجب بنا دیتا ہے لیکن اپنے اس اقرار اور عہد کو عمل سے ثابت کرنا لازمی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''**لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه** جنت کی کنجی ہے اور ہر کنجی کے دندانے ہوتے ہیں'' (مشکوۃ وابن ماجہ)۔ اگر عمل میں کوتاہی ہوتی ہے تو اسکی سزا بھگتنی پڑے گی اِلّا یہ کہ اللہ تعالیٰ توبہ سے یا توبہ کے بغیر انسان کو معاف فرما دے۔ گناہِ صغیرہ اچھے کام کرنے سے معاف ہوتے رہتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے کہ ''**وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّھَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ ذٰلِکَ ذِکْرٰی لِلذّٰکِرِیْنَ ○**''۔ (ھود ۱۱، آیت ۱۱۴) ترجمہ ''اور دِن کے دونوں کناروں پر اور رات کے کچھ حصے میں نماز قائم کرو کیونکہ نیکیاں بُرائیوں کو دُور کر دیتی ہیں۔ یہ نصیحت ہے نصیحت لینے والوں کیلئے''۔

نماز اور دوسری نیکیوں کی بدولت اللہ تعالیٰ ان کبیرہ گناہوں سے جو انسان غلطی سے کر بیٹھتا ہے، توبہ کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

○.....○.....○

حدیث ۱۵: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا وَکَانَ مَعَهٗ حَتّٰی یُصَلّٰی عَلَیْهَا وَیَفْرُغَ مِنْ دَفْنِهَا فَاِنَّهٗ یَرْجِعُ مِنَ الْاَجْرِ بِقِیْرَاطَیْنِ کُلُّ قِیْرَاطٍ مِثْلُ اُحُدٍ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ اَنْ تُدْفَنَ فَاِنَّهٗ یَرْجِعُ مِنَ الْاَجْرِ بِقِیْرَاطٍ تَابَعَهٗ۔ (تفہیم البخاری، جلد اوّل، حدیث ۴۵)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیّت سے مسلمان کے جنازہ کے ساتھ چلا اور اسکی نمازِ جنازہ پڑھی اور اسکے دفن سے فراغت ہونے تک وہ ساتھ رہا تو ثواب کے دو قیراط لے کر واپس آتا ہے۔ ہر قیراط اُحد پہاڑ کے مثل ہے اور جو شخص نمازِ جنازہ پڑھے پھر دفن کرنے سے پہلے لوٹ آئے۔ وہ ایک قیراط ثواب لے کر لوٹتا ہے۔

نوٹ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمان بھائی کی مصیبت کے وقت مدد کرنے کی طرف ترغیب دی ہے۔ اگر وہ مسلمان بھائی کے ساتھ اتنا وقت رہتا ہے کہ اس سے اسکی مصیبت کا بوجھ کافی حد تک کم ہو جاتا ہے تو اسکا اسکو بہت ثواب ملتا ہے۔ کسی گھر میں فوتیدگی ہو جانا اس گھر کیلئے بہت بڑی مصیبت ہے۔ اس میں انسان کو ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے کہ جتنی دیر تک وہ اسکے ساتھ رہ سکے، رہے تاکہ اسکے غموں کا مداوا ہو۔ اگر ہو سکے تو تین دِن تک اسکی گھریلو ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کرے۔ خاص طور پر اسکے مہمانوں کی دیکھ بھال کا کام اپنے ذمہ لے لے تو یہ بہت بڑا اَجر حاصل کرنے کا موقع ہے۔

اسکے علاوہ اجتماعی زندگی میں انسان کو بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن کو اکیلے حل کرنا مشکل ہوتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے ہمسایوں کے ہر مشکل کام میں انکا بلاواسطہ یا بالواسطہ ساتھ دیتے رہیں۔ اس سے معاشرے میں اَمن اور بھائی چارے کی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہت پسند ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ میں ایک یہودی کے غلام تھے تو

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشورے سے اپنے آقا سے آزادی حاصل کرنے کیلئے اقرارنامہ لکھا جس میں اسکے آقا نے یہ شرط لگادی کہ میری زمین پر تین سو کھجوروں کا باغ لگادو تو تمہیں آزاد کردوں گا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا پتہ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے فرمایا کہ اپنے بھائی سلمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی مدد کرو۔ دیکھتے ہی دیکھتے مدینہ طیبہ کے تمام لوگ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدد کو پہنچ گئے اور کئی مہینوں اور سالوں کا کام چند دِنوں میں ہوگیا اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آزادی مل گئی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں، ''جو شخص کسی مصیبت زدہ کو تسلی دیتا ہے، اسے بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے''۔ (سنن ترمذی، باب مصیبت زدہ کو تسلی دینے پر اَجر)

آج کل زندگی بہت پیچیدہ بن چکی ہے۔ نت نئے بے شمار مسائل سامنے آتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم جس قدر ممکن ہو، مصیبت کے وقت اپنے بھائی کے ساتھ رہیں، اس کو حوصلہ دیں اور جہاں تک ممکن ہو، عملی طور پر اس کی مدد کریں۔ اس سے معاشرے میں ایک ایسی فضا پیدا ہوتی ہے جس میں اَمن اور معاشی ترقی کی طرف معاشرہ گامزن رہتا ہے۔

ہمارے پڑوس میں بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں جن کو درست کرنا ضروری ہوتا ہے لیکن چونکہ ہمیں اجتماعیت کا شعور نہیں، ہم انکے پاس سے روزانہ ایسے ہی گزر جاتے ہیں مثلاً کوئی درخت گرا پڑا ہے اور راستہ روک رہا ہے، ہم بالکل پرواہ نہیں کرتے کہ اسکو ایک طرف کردیا جائے اور راستے کو لوگوں کیلئے محفوظ بنادیا جائے۔ راستے میں ہمیں گندگی پھیلی نظر آتی ہے لیکن ہمارے احساسات میں کوئی حرکت نہیں ہوتی۔ محلے میں کوئی نلکا بہہ رہا ہے لیکن اسکو بند کرنے کی توفیق نہیں ہوتی وغیرہ وغیرہ۔

میری گاڑی کے مکینک نے مجھے ایک عجیب واقعہ سنایا۔ اس نے کہا، ''میں سعودی عرب میں ایک امریکی کمپنی میں ملازمت کرتا تھا۔ ایک دِن میں اور میرا امریکی انچارج اکٹھے گاڑی میں بیٹھ کر باہر نکلے۔ جیسے ہی ہم سڑک پر آئے، ہم نے دیکھا کہ ایک گٹر بند

ہے اور گندہ پانی اوپر آ رہا ہے۔ اس نے مجھے کہا کہ 'سلیم نیچے اُترو اور اس گٹر کو صاف کرو'۔ میں نے کہا 'یہ میری ڈیوٹی میں شامل نہیں'۔ پھر وہ خود اُترا، اپنی ٹائی اور جیکٹ اُتارے اور اس گٹر کو صاف کرنے لگا پھر میں نے بھی اسکا ساتھ دیا۔ ہم نے دیکھا کہ پلاسٹک کا ایک لفافہ تھا جو گٹر کو بند کئے ہوئے تھا۔ گٹر کا پانی چلنے لگا تو ہم پھر گاڑی میں بیٹھ کر اپنے سفر پر روانہ ہو گئے لیکن مجھے اپنی حرکت پر بہت شرمندگی ہوئی اور میں نے اس سے معذرت مانگی اور ساری عمر کیلئے وہ مجھے سوشیالوجی کا جس پر قرآن حکیم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت ہی توجہ دیتے ہیں، ایک سبق سکھا گیا''۔

آج کل ہم اس اسٹیج پر پہنچ چکے ہیں کہ اپنے دین کی باتیں غیروں سے سیکھ رَہے ہیں۔ اس حدیث شریف میں سوشیالوجی (اجتماعیت) کا یہی پہلو سکھایا جارَہا ہے۔

سبق یہ ہے کہ اگر ایک کام ایسا ہے جو ایک اکیلا انسان نہیں کرسکتا تو سب مل کر اس بھائی کی مدد کریں۔ غمی اور خوشی میں، مصیبت اور آسائش میں، تنگ دَستی اور خوشحالی میں۔ اگر محلے میں کوئی ایسا مسئلہ ہے جو سب کو تکلیف دے رہا ہے تو سب اکٹھے ہو کر اسکا حل نکالیں، یہ نہیں ہونا چاہیے کہ ہر کوئی نظریں بچا کر پاس سے گزر جائے۔

○.....○.....○

حدیث۱۶: عَنْ عَبْدِاللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فَسُوْقٌ وَقِتَالُہٗ کُفْرٌ

عَنْ عُبَادَۃُ بْنُ الصَّامِتِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ خَرَجَ یُخْبِرُ بِلَیْلَۃِ الْقَدْرِ فَتَلَاحٰی رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ فَقَالَ اِنِّیْ خَرَجْتُ لِاُخْبِرَکُمْ بِلَیْلَۃِ الْقَدْرِ وَاِنَّہٗ تَلَاحٰی فُلَانٌ وَ فُلَانٌ فَرُفِعَتْ وَعَسٰی اَنْ یَکُوْنَ خَیْرًا لَکُمْ الْتَمِسُوْھَا فِیْ السَّبْعِ وَالتِسْعِ وَالْخَمْسِ ۔(تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث۴۶)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسکو قتل کرنا کفر ہے''۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لیلۃ القدر کی خبر دینے باہر تشریف لائے تو دو مسلمان جھگڑ رہے تھے تو یہ خبر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اُٹھالی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اسکا اُٹھالینا ہی تمہارے لیے بہتر تھا۔ اب تم لیلۃ القدر کو ستائیس، انتیس اور پچیس تواریخ میں اسے تلاش کرو۔

نوٹ: یہاں آدابِ معاشرت سکھائے گئے ہیں۔ اچھے آداب اچھے معاشرے کو جنم دیتے ہیں۔ بُرے آداب بُرے معاشرے کی تشکیل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اسکا رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اچھے آداب پسند فرماتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''تم میں بہترین وہ ہے جسکے اخلاق بہترین ہیں اور تم میں بہترین اخلاق والا وہ ہے جسکے اخلاق اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھے ہوں۔ میں تم میں سب سے بہتر ہوں کیونکہ میرے اخلاق گھر والوں کے ساتھ تم میں سب سے بہتر ہیں'' اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ترغیب دی کہ میری طرح اپنے اخلاق بناؤ گے تو بہترین انسان بن جاؤ گے۔

غصے کو قابو میں رکھنا اور معاف کرنے کی روش اختیار کرنا اچھے اخلاق کا پہلا قدم

ہے۔''اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ○''(آلِ عمران۳،آیت۱۳۴)ترجمہ''جو فراخی میں اور تنگی میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ کے ضبط کرنے والے اور لوگوں سے دَرگزر کرنے والے ہیں۔اللہ تعالیٰ ایسے اچھے کام کرنے والوں سے محبت رَکھتا ہے''۔

گالی بہت سے جھگڑوں کا باعث بنتی ہے حتیٰ کہ نوبت قتل تک آ جاتی ہے۔اسکے برعکس معاف کرنا اَمن عامہ کوتقویت دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کو دعوت دیتا ہے۔ لڑائی جھگڑا اللہ تعالیٰ کے غضب کو بھڑکاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کا غضب کئی صورتوں میں معاشرے میں ظاہر ہوتا ہے مثلاً بارش کا رُک جانا،ضروری اشیاء کی قلت کا ہونا،دُشمن کے غلبے کا خوف،معاشی بدحالی وغیرہ وغیرہ۔ہمیں چاہیے کہ عفوودَرگزر کی عادت ڈالیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے غصہ سے بچتے رہیں۔

اگر مسلمان مسلمان کوقتل کرتا ہےتو وہ کافرانہ فعل کاارتکاب کررہا ہے۔''وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَھَنَّمُ خٰلِدًا فِیْھَا وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَلَعَنَہٗ وَاَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیْمًا○''(النساء۴،آیت۹۳)ترجمہ''جوشخص کسی مومن کوقصداً قتل کرتا ہے تو اسکی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رَہے گا۔اللہ تعالیٰ کا غضب اس پر جاری رَہے گا اور اللہ تعالیٰ اسکواپنی رحمت سے دُوررَکھے گا اور اسکے لیے بڑی سزا کا سامان تیار کرے گا''۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا''قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے،دُنیا نہ جائے گی حتیٰ کہ لوگوں پر وہ دِن آ جائے گا جب قاتل نہ جانے گا کہ کس جرم میں قتل کیا اور نہ مقتول جانے گا کہ کس جرم میں قتل کیا گیا''۔عرض کیا گیا''یہ کیسے ہوگا؟ فرمایا''فتنہ عام کی وجہ سے۔قاتل مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے''(مشکوٰۃ المصابیح،حدیث ۵۱۵۱)۔ جتنا بُرا اَثر معاشرے پرقتل کا ہوتا ہے،کسی اور جرم کا شاید ہی اتنا اَثر ہوتا ہو۔یہ فعل معاشرے اور ملک کو بالکل تباہ کرکے رَکھ دیتا ہے۔ایک دوسرے سے بدلہ لینے کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور اگر اسکوروکا نہ جائے تو پورا معاشرہ اسکی زَد میں آ جاتا ہے۔ہمارے ہاں قتل وغارت کا رواج عام ہو چکا ہے جس میں سیاسی اور مذہبی قتل وغارت سرفہرست ہیں۔

سیاست کی ڈیوٹی تو یہ ہے کہ عدل قائم کرے لیکن جیسے ہی سیاست دان اقتدار میں آتے ہیں تو انتقام میں اپنے حریف کو گالیاں دینے کے ساتھ ساتھ قید و بند اور قتل پر اُتر آتے ہیں۔ اسکا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ملک میں ظلم کا نظام چل نکلتا ہے۔ ظلم سے ملک کی تباہی میں کیا شک ہے۔ حالات آپکے سامنے ہیں۔ اگر ہم بقا چاہتے ہیں تو یہ بقا عدل کے بغیر حاصل نہیں کر سکتے۔ ہمیں ان لوگوں کو اقتدار میں لانا چاہیے جو عدل و انصاف قائم کر سکیں۔ اسکے لیے ضروری ہے کہ خود ہم میں یہ دیکھنے کی صلاحیت موجود ہو کہ کون اس بات کی صلاحیت رکھتا ہے اور کون جھوٹا ہے۔ جھوٹا انسان کبھی عدل قائم نہیں کر سکتا۔ ہمیں کسی دباؤ میں نہیں آنا چاہیے۔ ووٹ کا حق صحیح استعمال کریں۔ اپنے اندر اپنے محسن اور دُشمن کو پہچاننے کی صلاحیت پیدا کریں۔

سیاستدانوں ہی کی یہ ذمہ داری ہے کہ مذہبی اختلافات کو ختم کرنے کی کوشش کریں لیکن بدقسمتی سے سیاستدان خود اپنے اندرونی اختلافات، لڑائی جھگڑوں سے فارغ نہیں ہوتے تو مذہبی رہنماؤں کے ساتھ مذاکرات کرنے میں انہیں وقت کہاں سے ملے گا

حدیث شریف کے دوسرے حصّے کا پیغام یہ ہے کہ بہت بڑی نعمت تمام انسانوں کیلئے لیلۃُ القدر ہے۔ اس کا صحیح علم اگر ہو جاتا تو انسانیّت کے لیے یہ ایک بہت ہی بڑی نعمت مترقبہ ہوتی لیکن عین اس وقت جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسکی خبر دینے کیلئے باہر نکلے تو دو آدمیوں کے جھگڑنے کی وجہ سے اسکے وقوع پذیر ہونے کے وقت کی خبر اُٹھا لی گئی۔ اللہ تعالیٰ کو جھگڑا ہرگز پسند نہیں۔ ترمذی شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''جو بحث و مباحثہ سے باز رہا، اسکے لیے اللہ تعالیٰ جنت کے کنارے ایک درخت لگا دیتا ہے''۔ ایک دوسری حدیث شریف میں ہے ''جو بحث و مباحثہ سے باز رہا باوجود اس کے کہ وہ سچ پر تھا تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ جنت کے درمیان ایک درخت لگا دیتا ہے'' (ترمذی)۔

ذرا غور کیجئے کہ معمولی جھگڑے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی نعمت انسان سے روک لی۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بہت سی عنایات جو انسان تک پہنچنی مقصود ہوتی ہیں، انسانوں کے لڑائی جھگڑوں کی وجہ سے روک لی جاتی ہیں۔

اگر ملک میں ہر وقت لڑائی جھگڑے کا ماحول ہو جیسا کہ اس وقت ہو چکا ہے تو

جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کا دَست رحمت ہم سے دُور ہتا ہے جسکا نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ ہمارے مسائل گھمبیر سے گھمبیر تر ہوتے جارہے ہیں اور انکا حل کہیں نظر نہیں آتا۔

سب سے زیادہ نقصان ملک کو سیاسی اور دینی جھگڑوں نے پہنچایا ہے۔ ساٹھ سالوں سے ہم دیکھتے آرہے ہیں کہ سیاسی لوگوں کی ریشہ دوانیاں ملک کو تباہی کی طرف اس تیزی سے لے جارہی ہیں کہ یہ خوف ہوتا ہے کہ کہیں ہماری بقا ہی خطرے میں نہ پڑ جائے۔ ہماری سیاست کے سٹیج پر صرف دو ہی کام ہوتے ہیں، ایک مخالف پارٹی کو جائز و ناجائز طریقے سے نیچا دکھانا اور دوسرا اپنے اور اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو ہر قسم کے مالی فوائد پہنچانا۔ چوبیس گھنٹے ان ہی جھگڑوں میں گزر جاتے ہیں۔ عوام کے کام کاج کا کوئی وقت انکے پاس نہیں بچتا۔ ہمارے سیاسی لیڈروں کو بھولنا نہیں چاہیے کہ ایک ایسی ذات بھی موجود ہے جو یہ سب کچھ دیکھ رہی ہے۔ حدیث جبریل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بتائی ہے کہ ''تمہارے حکمران ننگ بدن اور ننگ پا ہوں گے اور وہ بہرے اور گونگے ہوں گے''۔ (مشکوٰۃ شریف، کتاب الایمان)

یہاں ننگ بدن ننگ پا کا مطلب تنگ دستی نہیں ہے بلکہ یہ ایمان سے بالکل خالی ہونا ہے۔

ایک دِن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے اپنا ایک خواب بیان فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ، ''خواب میں میرے سامنے سے کچھ لوگ گزرے۔ میں نے دیکھا کہ کسی کا کرتہ اسکے گلے میں لٹک رہا ہے، کسی کا اس سے نیچے ہے۔ (حضرت) عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا کرتہ میں نے دیکھا کہ اتنا لمبا ہے کہ زمین پر گھسٹتا آرہا ہے''۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے پوچھا کہ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! اسکی تعبیر کیا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''ایمان'' یعنی لوگوں کے ایمان مختلف ہوتے ہیں اور اس خواب میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے یہ بشارت تھی کہ وہ کامل ایمان کے حامل ہیں۔ ایمان کو یہاں خواب میں لباس سے تشبیہ دی گئی ہے۔

حدیث جبریل میں یہ فرمانا کہ ''حکمران ننگے بدن، ننگ پا ہوں گے''۔ مطلب یہ

ہے کہ وہ سر سے پاؤں تک ایمان سے خالی ہوں گے۔ان میں ایمان کی کوئی صفت بھی موجود نہیں ہوگی۔نہ وہ سچ بولنے والے ہوں گے۔نہ پُرخلوص ہوں گے۔نہ امانت کے ادا کرنے والے ہوں گے۔نہ وہ وعدہ کا پاس کریں گے۔عوام کے حقوق دینے اور دلوانے کی ذمہ داری کے احساس سے خالی ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔

بہرے اور گونگے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عوام کی نہ وہ شکایت سنیں گے اور نہ اسکا مداوا کریں گے حالانکہ حکمران کی یہ پہلی ذمہ داری ہے۔آسمانوں اور زمین کا حکمران اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں یوں فرماتا ہے،''**وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْب'' اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ**.....''(البقرہ۲،آیت۱۸۶) ترجمہ''اور جب میرے بندے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں بتادو کہ میں قریب ہی ہوں، میں دُعا کرنے والے کی دُعا کا جب وہ دُعا کرتا ہے، جواب دیتا ہوں''۔اللہ تعالیٰ ایک دوسری جگہ فرماتا ہے،''**وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُم** .....'' (الغافر۴۰،آیت۶۰) ترجمہ''اور تمہارا رَب فرماتا ہے کہ مجھ سے فریاد کرو، میں تمہاری فریاد کو قبول کرنے والا ہوں یعنی مداوا کرنے والا ہوں''۔

حکمرانی کا یہ پہلا اصول ہے کہ حکمران اپنے بندوں کی فریاد کو سنے اور اسکا جواب دے یعنی انکی فریادرَسی اور انکے حقوق کی ادائیگی کا بندوبست کرے اور انہیں ظالم کے ظلم سے بچائے اور ظالم کا ہاتھ روکنے کا انتظام کرے۔

اگر حکمران حکمرانی کے پہلے اصول سے ہی ناواقف ہے تو ملک میں قیامت صغریٰ برپا نہیں ہوگی تو اور کیا ہوگا۔

○.....○.....○

حدیث ۱۷: عَنْ عَامِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِیْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَلْحَلَالُ بَیِّن'' وَالْحَرَامُ بَیِّن'' وَبَیْنَھُمَا مُشْتَبِھَات'' لَا یَعْلَمُھَا کَثِیْر'' مِنَ النَاسِ فَمَنِ اتَّقٰی اَلْمُشْتَبِھَاتِ اِسْتَبْرَأَ لِدِیْنِہٖ وَعِرْضِہٖ وَمَنْ وَقَعَ فِیْ الشُّبُھَاتِ کَرَاعٍ یَرْعٰی حَوْلَ الْحِمٰی یُوْشِکُ اَن یُوَاقِعَہٗ اِلَّا وَاِنَّ لِکُلِّ مَلِکٍ حِمًی اَلَا اِنَّ حِمَی اللّٰہِ فِیْ اَرْضِہٖ مَحَارِمُہٗ اَلَا وَاِنَّ فِیْ الْجَسَدِ مُضْغَۃ'' اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ۔ (تفہیم البخاری، جلد اوّل، حدیث ۴۹)

ترجمہ: حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔ ان دونوں کے درمیان مشتبہات ہیں کہ انکو اکثر لوگ نہیں جانتے۔ پس جو مشتبہات سے بچا، اس نے اپنا دین اور عزت بچا لیے اور جو کوئی مشتبہات میں داخل ہو گیا، وہ اس چرواہے کی طرح ہے جو سرکاری چراگاہ کے پاس جانور چراتا ہے۔ قریب ہے کہ وہ انکو اس میں داخل کر دے۔ خبردار! ہر بادشاہ کی چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی چراگاہ اسکی زمین میں حرام کی ہوئی چیزیں ہیں۔ خبردار! جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے۔ جب وہ درست ہو تو سارا جسم درست رہتا ہے۔ اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے اور وہ انسان کا دِل ہے۔

نوٹ: اس حدیث شریف کا پیغام یہ ہے کہ عام آدمی کے لیے حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی۔ جس چیز کا حرام حلال ہونا واضح نہیں ہے، اس سے بچو تو تم حرام سے بچ جاؤ گے۔ اگر کسی چیز کے حرام حلال ہونے میں شک ہے تو مختلف لوگوں سے فتوے نہ لیتے پھرو اور اپنے نفس کی خاطر جواز تلاش نہ کرو اور حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا کر جہنم نہ خریدو۔ اگر ایسا کرنے کی عادت ڈالو گے تو بالآخر واضح حرام چیزوں کو استعمال کرنے کا جواز تلاش کر لو

گے اور واضح حرام چیزوں کو حلال بنا لو گے پھر ایک ایسا وقت تم پر آ جائے گا کہ حرام اور حلال کی تمیز دِل سے ختم ہو جائے گی۔ اگر مرتے دَم تک حرام سے بچنا چاہتے ہو تو مشکوک چیزوں کو اختیار نہ کرو اور فتوؤں کے پیچھے نہ بھاگو۔ صرف واضح حرام اور واضح حلال پر قائم رہو پھر جو بھی مشکلات پیش آئیں، ان پر ثابت قدم رہنے کیلئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اپنے دِل کو درست رکھو یعنی نیّت میں خلوص رکھو۔ اگر نیّت صحیح ہے تو مشکوک چیزوں کو اختیار نہیں کرو گے خواہ کتنی ہی مشکلات پیش آئیں۔ اگر نیّت میں فتور ہے تو اپنے نفس کی خواہش پوری کرنے کیلئے مشکوک چیزوں کو اختیار کرنا شروع کر دو گے اور بالآخر واضح حرام کو بھی حلال بنانے کا بہانہ ڈھونڈ لو گے اور اسی طرح واضح حلال کو حرام بنا بیٹھو گے۔ بالآخر حرام حلال میں تمیز ختم ہو جائے گی پھر تم وہاں ہی پہنچ جاؤ گے جہاں اِسلام سے پہلے مشرکین مکہ تھے۔

حرام حلال کو اپنے مقام پر رَکھنے کیلئے نیّت کا درست ہونا بہت ضروری ہے۔

زمانے کی ترقی سے ہمارے ماحول میں بہت چیزیں ایسی آ گئی ہیں جن کے متعلق علماء میں بہت اختلاف ہے۔ اگر آپ کسی ایک طرف رائے قائم نہیں کر سکتے تو بہتر یہ ہے کہ اس چیز سے بچا جائے۔ علماء سے رائے لینے کے ساتھ اپنے ضمیر سے بھی رائے لیں۔ پُرخلوص ضمیر ہمیشہ سیدھی راہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

میں ایک دِن ایک اِسلامی بنک میں گیا۔ بلاسود کار خریدنے کے متعلق اُن سے گفتگو کی۔ اہلکار نے مجھے دو سکیمیں بتائیں اور کہا کہ یہ بلاسود ہیں اور جائز ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ دونوں سکیمیں مجھے بلاسود نہیں لگتیں۔ کہنے لگا کہ ہمارا علماء کا بورڈ ہے، انہوں نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ یہ سکیمیں جائز ہیں۔ اس نے ان علماء میں سے چند ایک کا مجھے نام بھی بتایا لیکن میں نے پھر بھی کہا کہ مجھے اس میں شک ہے اور میرا ضمیر مطمئن نہیں ہو رہا لہٰذا میں آپکی سکیم کے ذریعے کار نہیں خریدوں گا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے صبر کروں گا۔

۱۹۷۹/۸۰ء میں میں ویانا یونیورسٹی آسٹریا میں زیرِ تعلیم تھا۔ مجھے حلال گوشت نہیں ملتا تھا۔ ایک دوسرے مسلمان طالبعلم سے بات کی۔ کہنے لگا ہم تو عام دکان سے مرغی لے لیتے ہیں اور اس پر بسم اللہ پڑھ کر کھا لیتے ہیں۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ ان حالات میں جائز ہے۔ میرے ضمیر نے اجازت نہیں دی۔ میں صرف سبزی اور دال پر گزارہ کرتا

رہا جس سے میرا وزن دو مہینے میں کافی کم ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی۔ معلوم ہوا کہ یونیورسٹی ایریا میں ایک مسلمان کی گوشت کی دکان ہے لیکن بہت مہنگے داموں گوشت دیتا ہے۔ میں نے بھاری قیمت پر یہ حلال گوشت خریدنا مردہ مرغی پر بسم اللہ پڑھ کر کھانے سے بہتر سمجھا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے مجھے یہ ہمت عطا فرمائی۔

میں یو سی ایچ، لاہور میں فزیشن تھا۔ ایک مریض کے رشتہ دار میرے پاس آئے۔ کہنے لگے ''خون خریدنا ہے، مالی مدد کی ضرورت ہے''۔ میں نے کہا ''خون خریدنا حرام ہے''۔ کہنے لگے ''بعض علماء اسکو جائز قرار دیتے ہیں''۔ میں نے کہا ''بعض علماء کہتے ہیں یہ ناجائز ہے۔ جب علماء میں اختلاف ہے تو یہ شک کی بات ہے، اسلئے تمہیں خون نہیں خریدنا چاہیے'' اور میں نے مشورہ دیا، ''اپنے رشتہ داروں میں سے کسی کا خون جو مریض کے خون کے ساتھ مل جائے، اسکا بندوبست کرو''۔

اِسلام آباد سے ایک نوجوان مریض میرے پاس آیا۔ میں جب اس کا طبی معائنہ کر رہا تھا تو پیٹ پر ایک لمبا آپریشن کا نشان دیکھا۔ میں نے پوچھا ''یہ کیا بات ہے؟'' کہنے لگا ''میں نے اپنا گردہ بیچا ہے''۔ میں نے کہا ''گردہ بیچنا تو حرام ہے''۔ کہنے لگا ''مجھے جب ہسپتال بلایا گیا تو میں نے وہاں دیکھا کہ بہت سے لوگ گردہ بیچنے کے لیے آئے ہوئے ہیں۔

اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ جب کسی بارے میں علماء کا اختلاف ہو تو شک پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسی صورتوں میں بچنا چاہیے تب ہی آپ ایمان کو ٹھیک رَکھ سکتے ہیں۔

اختلاف رائے کے بارے میں کچھ عرض کرنا پسند کروں گا۔

زکوۃ نہ دینے والوں کے خلاف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوجی کارروائی کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اختلاف فرمایا۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دلائل سے سمجھایا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی رائے سے رجوع فرمالیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے سے اتفاق فرمایا لہٰذا شک کی گنجائش دُور ہو گئی۔

اسی طرح قرآن حکیم کو جمع کرنے میں شروع میں چند صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں اختلاف پیدا ہوا لیکن کچھ دیر کے بعد اللہ تعالیٰ نے سب کو ایک بات پر

متفق فرمادیااورشک ختم ہوگیا۔

علماء سے رائے لینے کے ساتھ اپنے پُرخلوص ضمیر سے بھی رائے لیں۔ضمیر کا فیصلہ ہمیشہ صحیح ہوگا۔ جہاں شک کی بات ہو،اس سے بچنے کی کوشش کریں گے تو اپنے دین کو محفوظ رَکھ سکیں گے۔

○.....○.....○

حدیث ۱۸: عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلٰی اَھْلِہٖ یَحْتَسِبُھَا فَھِیَ لَہٗ صَدَقَۃٌ''۔ (تفہیم البخاری، جلد اوّل، حدیث ۵۲)

ترجمہ : حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''جب کوئی شخص اپنے اہل وعیال پر ثواب کی نیّت سے خرچ کرتا ہے تو یہ اسکے لیے صدقہ بن جاتا ہے''۔

نوٹ: اس حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کی رَضا کیلئے اپنے رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ مال خرچ کرنے میں قرآن حکیم نے کچھ ترجیحات بتا دی ہیں۔ ''**یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْم**'' (البقرہ ۲، آیت ۲۱۵) ترجمہ ''(اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے پوچھتے ہیں (کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں) کس طرح کا مال خرچ کریں۔ کہہ دو کہ (جو چاہو خرچ کرو لیکن) جو مال خرچ کرنا چاہو (وہ درجہ بدرجہ اہل استحقاق یعنی) ماں باپ کو اور قریب کے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو دو اور جو بھلائی تم کرو گے، خدا اسکو جانتا ہے''۔

صاف ظاہر ہے کہ مال خرچ کرنے میں سب سے اوّل والدین ہیں۔ اسکے بعد اپنے اہل عیال، اسکے بعد اپنے بہن بھائی اور اسکے بعد خاندان کے باہر کے لوگ۔

جب بھی ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اَجر وثواب کی اُمید پر اچھے کاموں میں مال خرچ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اسکا اَجر دیتا ہے۔ اگر ایمانِ صادق کے بغیر نیک کاموں میں مال خرچ کرے گا، اسکا اَجر آخرت میں نہیں ہے۔ ایمانِ صادق وہ ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ایمان تھا۔ ایمانِ کاذب وہ ہے جو مدینہ منورہ کے منافقین کا تھا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''**وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝**'' (البقرہ ۲، آیت ۸) ترجمہ ''لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور یومِ آخرت پر ایمان لائے لیکن وہ مومن

نہیں ہیں'' پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَض'' فَزَادَھُمُ اللّٰہُ مَرَضًا وَلَھُمْ عَذَاب'' اَلِیْم'' بِمَا کَانُوْا یَکْذِبُوْنَ ○ ''(البقرہ۲، آیت۱۰) ترجمہ ''اُن کے دِلوں میں مرض ہے یعنی نفاق کا تو ہم نے ان کا یہ مرض اور زیادہ کر دیا اور ان کے لیے دَردناک عذاب ہوگا کیونکہ وہ جھوٹ بولتے تھے''۔ یہ ایمانِ کاذب ہے جو قابل قبول نہیں ہے۔ ایسے ایمان کے ساتھ جو بھی مال خرچ کیا جائے گا، اس کا آخرت میں کوئی اَجر نہیں ہوگا۔

ایمانِ صادق کے ساتھ مال خرچ کرنے میں بھی بہت احتیاط کرنی پڑتی ہے۔ مال حلال طریقے سے کمانا انتہائی ضروری ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ وہی کہلائے گا جو کہ خالص حلال کمائی کا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے خرچ کیا گیا ہوگا۔ جو مال رِیا کیلئے نیکی کے راستے میں خرچ کیا جاتا ہے، وہ ہرگز قبول نہیں ہوتا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْہِ رَبِّھِمْ وَاَقَامُوْا الصَّلٰوۃَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً وَّیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَۃِ السَّیِّئَۃَ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عُقْبَی الدَّارِ ○ ''(الرعد۱۳، آیت۲۲) ترجمہ ''جو لوگ اپنے رَب کی رَضا کی تلاش میں صبر کرتے ہیں، نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے انکو دیا ہے، اس میں سے کھلے چھپے خرچ کرتے ہیں اور برائی کو بھلائی کے ذریعے سے دُور کرتے ہیں تو آخرت کا گھر انہی لوگوں کیلئے ہے''۔

عام لوگوں کا خیال یہ ہے کہ صدقہ گھر والوں کی بہ نسبت باہر والوں کو دینے میں زیادہ ثواب ہے، یہ خیال غلط ہے بلکہ مال خرچ کرنے کا زیادہ ثواب قریبی رشتہ داروں کی ضروریات کو پورا کرنے میں ہے۔

اگر ہم اس حدیث شریف اور قرآن حکیم کی ان آیات مبارکہ کو مدنظر رکھیں اور اپنے مستحق رشتہ داروں کو مالی امداد پہنچاتے رہیں تو سارے معاشرے میں کوئی ایک بھی فقیر نظر نہیں آئے گا لیکن اس وقت صورتحال یہ ہے کہ ہماری گلیاں اور ہماری مساجد کے قرب وجوار روزانہ فقیروں سے بھرے ہوتے ہیں۔

○.....○.....○

حدیث ۱۹: عَنْ جَرِیْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ الْبَجَلِیِّ رَضِیَ اللّٰہَ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ بَایَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ عَلٰی اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ وَالنُّصْحِ لِکُلِّ مُسْلِمٍ۔ (تفہیم البخاری، جلد اوّل، حدیث ۵۴)

ترجمہ : جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ اُنہوں نے فرمایا، ''میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر ان باتوں پر بیعت کی کہ میں نماز قائم کروں گا اور زکوۃ دیتا رہوں گا اور ہر مسلمان کیلئے پُرخلوص رویہ رکھوں گا''۔

نوٹ: دوسرے مسلمانوں کے ساتھ خلوص رَکھنا ایمان کا انتہائی لازمی جزو ہے۔ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی اگر خلوص سے نہیں کی جائے گی تو ایمان نامکمل ہوگا۔ حقوق العباد کی ادائیگی انتہائی ضروری ہے لیکن فی زمانہ ہم نے اس کو بالکل چھوڑا ہوا ہے۔ میدانِ عرفات میں حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دُعا فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا فرمائی کہ ''میں اپنی اُمت کے لیے بڑا فکرمند ہوں''۔ فوراً ہی حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''جو حقوق میرے اور بندوں کے درمیان ہیں، وہ تو میں بخش دوں گا لیکن جو حقوق آپس میں بندوں کے درمیان ہیں، وہ انکو ادا کرنے پڑیں گے''۔ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دُعا کیلئے دوبارہ ہاتھ اُٹھائے کہ ''یا اللہ! بندوں کے یہ حقوق تو اپنی طرف سے ادا فرما دینا''۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا، ''یارسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دُعا بھی قبول فرمالی ہے''۔ اس حدیث شریف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حقوق العباد حقوق اللہ سے کہیں کم نہیں ہیں اور حقوق العباد توبہ سے معاف نہیں ہوتے۔ انکی ادائیگی ضروری ہے، اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی خواہ اللہ تعالیٰ فرمائے یا انسان خود۔ یہی عدل کا تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون زیادہ عادل ہوسکتا ہے۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''دین خیرخواہی کا نام ہے''۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض

کیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! کس کے ساتھ خیر خواہی؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اس کی کتاب کے ساتھ، اس کے رسول کے ساتھ، امیر کے ساتھ اور عام مسلمانوں کے ساتھ''۔ (سنن نسائی، باب امیر کے ساتھ مخلص رہنا)

انسانی تہذیب کی بنیاد اعتماد اور خلوص پر ہے۔ اگر ایک فرد دوسرے فرد کے ساتھ بھلائی کا رویہ نہیں رَکھتا تو معاشرتی زندگی میں اجتماعیت کا شعور ختم ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''بنی نوع انسان اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہیں''۔ کنبہ ہمیشہ اکٹھا رہتا ہے اور اسکے افراد ایک دوسرے کے غم خوار ہوتے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ ''مسلمان اُمت ایک دیوار کی مانند ہے۔ ایک اینٹ دوسرے کو تقویت دیتی ہے'' (مشکوۃ)۔ مزید آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''مسلمان اُمت ایک جسم کی مانند ہیں۔ اگر جسم کے ایک حصہ میں تکلیف ہے تو دوسرا حصہ اس کو محسوس کرتا ہے''۔

اگر بھلائی کا جذبہ ختم ہو جائے تو انسان انسانیّت سے نکل کر حیوانیّت میں داخل ہو جاتا ہے۔

دوسرے شخص کے ساتھ اچھا رویہ رَکھنا خود انسان کے اپنے فائدے میں ہے۔

اپنے بھائی کے ساتھ دَرگزر اور معاف کرنے کا رویہ رَکھنے سے وہ دوست بن جاتا ہے۔ اس کی غیبت، چغلی اور حسد کرنے سے بچتا ہے۔ مخلص دوستی کے اس دُنیا میں بے شمار فائدے ہیں۔ مصیبت میں وہ آپکا دستِ راست بن جاتا ہے اور اَمن میں وہ آپکا رہنما ہوتا ہے۔ مخلص دوستی کے آخرت میں بھی بے شمار فائدے ہیں۔ وہ آپکو دین کے بارے میں یاددہانی کراتا رہتا ہے اور آپکو راہِ راست سے بھٹکنے سے روکتا رہتا ہے۔ اپنے بھائی کے ساتھ اچھا رویہ رکھنے سے بے شمار جھگڑے ختم ہو جاتے ہیں اور اَمن کی فضا معاشرے میں پیدا ہو جاتی ہے جس سے معاشرتی اور معاشی ترقی پوری طرح وابستہ ہوتی ہے۔ معاشی ترقی آج کل ملکی دفاع میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر معاشرے میں اَمن ہوگا جسکی بنیاد عفو و دَرگزر پر ہے تو ہر قسم کی معاشی ترقی مثلاً زراعت، صنعت، تجارت سب کو فروغ ملے گا۔ آج کل قوموں کی ترقی کا معیار اس کی معاشی ترقی

سے جانچا جاتا ہے۔

یہ تو تھا فرد اور فرد کے درمیان معاملہ۔ حکمران اور عوامُ الناس کے درمیان معاملہ بھی خلوصِ نیّت پر مبنی ہونا ضروری ہے۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''اپنے امیر کے ساتھ مخلص رہو''۔ اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ جب تم خود امیر بنو تو عوامُ الناس کے ساتھ خلوصِ نیّت کا ثبوت دو۔ امیر یعنی حکومت کا عوام الناس کے ساتھ خلوص یہ ہے کہ اسکے جان، مال اور آبرو کی پورے دِل وجان سے حفاظت کرے۔

اچھے حکمران کی پہلی شرط یہ ہے کہ وہ بمنزلہ باپ کے ہو جیسا کہ باپ اپنی اولاد کے ساتھ غیر مخلص نہیں ہوسکتا، اسی طرح قدرت کا منشا ہے کہ حکمران بھی عوام الناس کے ساتھ جو کہ اسکا کنبہ ہے، غیر مخلص نہ ہو۔ اگر کوئی لیڈر اور حکمران باپ نہیں بن سکتا تو وہ لیڈر نہیں ہے بلکہ وہ بھیڑیا ہے جس نے انسان کا لبادہ اُوڑھ رَکھا ہے۔ کیا ہم نے قرآن مجید میں نہیں پڑھا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق جو کہ اپنی قوم کے لیڈر تھے، فرمایا: ''**لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ**'' ○ ''(التوبہ ۹، آیت ۱۲۸) ترجمہ ''تم ہی میں سے تمہارے پاس ایک رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آ گئے ہیں جن کو تمہاری تکلیف بڑی گراں گزرتی ہے۔ وہ تمہاری بھلائی کیلئے بڑے حریص ہیں اور مومنین پر (جو کہ انکا کنبہ ہے) بڑی شفقت اور مہربانی فرماتے ہیں''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو کہ نبی ہونے کے ساتھ ساتھ ریاست کے سربراہ بھی تھے، اپنی اُمت کیلئے یعنی (عوام) کیلئے باپ سے زیادہ شفیق تھے۔ سیرت کی کتابوں میں ہمیں بے شمار واقعات ملتے ہیں جن میں واضح طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اپنی اُمت سے برتاؤ باپ سے بھی زیادہ مشفقانہ نظر آتا ہے اور آخرت کے بارے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی اُمت کیلئے بہت فکرمند تھے۔

جگہ کی کمی کی وجہ سے ہم یہاں صرف ایک واقعہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ ایک انصاری کے گھر میں ایک کھجور کا درخت تھا جو اعلیٰ قسم کا تھا۔ اسکی شاخیں دوسرے انصاری کے گھر جھکی ہوئی تھیں۔ ایک دِن دوسرے انصاری کے بیٹے نے ایک کھجور جو اس درخت

سے انکے گھر گر پڑی، اپنے منہ میں ڈال لی۔ پہلا انصاری بھاگا بھاگا آیا اور بچے کے منہ سے زبردستی کھجور نکال لی۔ باپ اپنے روتے ہوئے بچّے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس لے گیا اور واقعہ بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس انصاری کو بلایا اور کہا کہ ''یہ کھجور ہمیں فروخت کردو''۔ پہلے تو اس نے انکار کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصرار پر اس نے بہت زیادہ قیمت مانگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کی منہ مانگی قیمت ادا فرمادی اور فرمایا، ''آج سے یہ کھجور کا درخت اس بچّے کا ہے''۔ کیا اب بھی آپکو کوئی شک ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ریاست کے سربراہ ہونے کے ساتھ ساتھ ہر شہری کے ساتھ باپ سے بھی زیادہ شفیق تھے۔ یہ ہے لیڈرشپ کا معیار جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پسند ہے۔ ہر نبی اور رسول اپنی قوم کیلئے باپ کی طرح ہوتا ہے اور اپنے عمل سے یہ ثابت کر کے دکھاتا ہے تاکہ آئندہ آنے والے لیڈر نصیحت پکڑیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے بعد خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا طرزِ حکومت بھی ایسا ہی رہا۔ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اپنے آپ کو عوام کا باپ سمجھتے تھے اور ہر ایک نے اپنے عمل سے یہ کر کے دکھا بھی دیا۔ ان کی زندگی کے بے شمار واقعات تاریخ میں موجود ہیں جو کہ ہمارے لیے مشعل راہ بن سکتے ہیں لیکن یہاں اختصار کی خاطر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر رات کو عوام کے حالات معلوم کرنے کے لیے گھر سے نکل جاتے تھے۔ ایک رات مدینہ طیبہ سے باہر دیکھا کہ ایک خیمہ میں سے رونے کی آوازیں آ رہی ہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خیمے کے پاس بیٹھے ہوئے آدمی سے پوچھا کہ ''کیا ماجرا ہے؟'' اس آدمی نے جواب دیا، ''بچے بھوکے ہیں، اس لئے رو رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس لوٹے۔ خزانے سے ایک بوری خوراک کی اپنے کندھوں پر اُٹھائی۔ غلام نے کہا کہ ''میں اُٹھا کر لے جاتا ہوں''۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''کیا قیامت کے روز تم میرا بوجھ اُٹھاؤ گے؟'' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود کھانا بنایا اور بچوں کو اپنے ہاتھ سے کھلایا۔ ماں اور باپ بھی پاس بیٹھے ہیں۔ جب

تک بچوں نے کھا پی کر خوشی کا اِظہار نہیں کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں سے نہیں لوٹے۔ جب واپس آنے لگے تو عورت نے کہا، ''ذرا بات سنو۔ خلیفہ تو تمہیں بننا چاہیے تھا۔ (حضرت) عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تو ایسے ہی خلیفہ بن گیا ہے۔ ہم آپکو پھر کہاں ملیں؟'' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ''جب (حضرت) عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پاس جاؤ گے تو تم لوگ مجھے وہاں پالو گے''۔ یہ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں سے واپس لوٹے۔

کائنات ایک لمحہ کیلئے ٹھہر جاتی ہے۔ ارض وسماوات حیران وششدر ہیں کہ اس زمین پر انسانی تاریخ میں پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک طاقتور ترین ریاست کا سربراہ (امیر المومنین) اپنے غریب ترین شہری کیلئے خود اپنی پیٹھ پر خوراک لاد کر لاتا ہے اور اپنے ہاتھوں سے پکا کر انکو کھلاتا ہے۔ کائنات حیران ہے کہ یہ کیسا انسان ہے۔ خلوص بالنّاس اپنی انتہا پر ہے، شیطان دُور کھڑا اپنے آپکو بے بس دیکھ رہا ہے، ایمان پوری بلندی پر موجزن ہے۔

یہ تھا عوامُ الناس کے ساتھ خیر خواہی کا طریقہ اس حکمران کا جسکے نام سے قیصر و کسریٰ کے دَر و دیوار کانپتے تھے۔ اسکی ایک ایک بات، ایک ایک قدم باپ سے زیادہ مشفقانہ تھے۔ بچوں کے ماں باپ پاس ہی بیٹھے ہیں لیکن (حضرت) عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) خود آگ جلا رہے ہیں۔ دھوئیں سے آنکھیں بند ہوئی جاتی ہیں لیکن یہ انسان ان باتوں سے بے نیاز باپ کا کردار ادا کیے بغیر پیچھے ہٹنا گوارا نہیں کرتا اور پھر جاتے وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بھی نہیں بتاتے کہ وہ کون ہیں؟ کیا یہ انسان حکمرانی کی بلند ترین سطح پر نہیں تھا۔ اسکے پاس بھی وہی قرآن مجید، وہی سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے جو ہمارے پاس ہیں لیکن آج ہم میں (یعنی ہمارے حکمرانوں میں) اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں زمین وآسمان کا فرق نظر آتا ہے۔

۸۰-۱۹۷۹ء کی بات ہے میں آسٹریا کی یونیورسٹی آف ویانا میں زیر تعلیم تھا۔ موسم سرما کی بات ہے، ٹیلی ویژن پر یہ خبر نشر ہوئی کہ یوگوسلاویہ کے صدر مارشل ٹیٹو انتقال کر گئے ہیں۔ کچھ دیر کے بعد ہمیں پتہ چلا کہ یوگوسلاوی کثیر تعداد میں آسٹریا کی طرف مہاجر بن کر آ رہے ہیں۔ مہاجرین کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ حکومت کو سرحد پر انہیں روکنے

کا انتظام کرنا پڑا۔ میں نے اپنے ایک یوگوسلاوی دوست سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ اس نے کہا ''ہمارا باپ مر گیا ہے؟ اب کسی وقت بھی روس ہم پر چڑھائی کر سکتا ہے''۔ یہی تاثر ویانا میں دوسرے یوگوسلاویوں سے مجھے ملا۔ وہ سب رو رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ آج ہم شفیق باپ سے محروم ہو گئے ہیں۔

مارشل ٹیٹو کلمہ گو نہیں تھے اور وہ جمہوری صدر بھی نہیں تھے۔ وہ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے پر صدر بنے۔ وہ ایک فوجی جرنیل تھے اور آج کل کی زبان میں وہ ڈکٹیٹر تھے لیکن حکومت انہوں نے اس طرح کی کہ اپنی عوام کے ساتھ وہ باپ کی حیثیت سے رہے۔ انہوں نے ۳۵ سالہ دَورِ حکومت میں یہ ثابت کر دیا کہ وہ عوام کے سچے باپ تھے۔

طرزِ حکمرانی میں اس زمین پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مارشل ٹیٹو ایک ہی صف میں کھڑے ہیں .....لیکن ہم کہاں کھڑے ہیں .....ایک درندگی کے آتش فشاں پہاڑ پر جو کہ ہر لمحہ پہلے سے زیادہ تیز سلگتا نظر آتا ہے۔

حضرت قائد اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعد ہماری زندگی میں کوئی ایسا ہمارا حکمران نہیں آیا جس نے باپ کا کردار اَدا کیا ہو۔ سب آقا اور غلام کے کردار میں آئے ہیں۔ کچھ جمہوری اور کچھ غیر جمہوری لیکن دونوں کا اندازِ حکمرانی ایک ہی تھا اور جب بھی کوئی حکمران اپنے اقتدار سے ہٹا، عوام نے سکھ کا سانس لیا۔

جمہوری حکومت کہنے کو تو جمہوری ہے لیکن حقیقی معنوں میں کسی طرح بھی جمہوری نہیں ہوتی۔ ووٹ کئی ہتھکنڈوں سے خریدے جاتے ہیں، نتائج بھی زبردستی بدل لیے جاتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ آج تک جو بھی حکومت بنی ہے، وہ اکثریتی حکومت نہیں تھی بلکہ اقلیّتی حکومت تھی۔ الیکشن میں پینتالیس فیصد سے زیادہ ووٹ کبھی نہیں ڈالے گئے اور اس میں سے بھی پچیس فیصد سے زیادہ حکومت بنانے والی پارٹی کو نہیں ملے۔ یہ تو جمہوریت نہیں ہے۔ جمہوریت تو وہ ہوتی ہے جس پر اکثریت کا اتفاق ہو۔

اقتدار میں آنے کے بعد ایسے بنائی ہوئی حکومت ہر لحاظ سے غیر جمہوری طرزِ عمل رَکھتی ہے۔ وہ جمہور کو بھول جاتے ہیں، صرف اپنے آپ کو یاد رَکھتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے

کہ عوام کے مسائل بڑھتے جاتے ہیں، ملک میں بے چینی کی کیفیت زیادہ سے زیادہ ہوتی جاتی ہے جو کہ بے شمار جھگڑوں کا باعث بنتی ہے۔ اسی طرز کی حکومت جو کہ سو فیصدی غیر عادلانہ حکومت ہے اور جسے ہم ساٹھ سال سے دیکھتے چلے آ رہے ہیں، کی وجہ سے مشرقی پاکستان علیحدہ ہوا، اسی وجہ سے آج ہم بہت بڑی دہشت گردی اور اسکے نتیجہ میں پیدا کیے ہوئے ملکی اور بین الاقوامی مسائل میں گھر چکے ہیں جنکا کوئی حل نظر نہیں آتا۔ حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

ہماری حکومتیں اس ظالم چرواہے کی مانند ہیں جو خود ہی اپنے ریوڑ کی معصوم بھیڑوں کو ذبح کرتا چلا جا رہا ہے۔

○.....○.....○

جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا

نمبر شمار	نام کتاب ومصنف
۱	القرآن الحکیم
۲	تفہیم البخاری از غلام رسول رضوی صاحب
۳	شرح مسلم شریف از غلام رسول سعیدی صاحب
۴	جامع ترمذی ترجمہ از مولانا فضل احمد صاحب
۵	سنن نسائی ترجمہ از عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری صاحب
۶	سنن ابن ماجہ ترجمہ از عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری صاحب
۷	سنن ابوداؤد ترجمہ از مولانا خورشید حسن قاسمی صاحب
۸	مؤطّا امام مالک ترجمہ از مولانا عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری صاحب
۹	مؤطّا امام محمد ترجمہ از محمد منشا تابش قصوری صاحب
۱۰	کشف المحجوب از حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ : طفیل محمد صاحب
۱۱	شمائل ترمذی شریف ترجمہ از مولانا محمد زکریا صاحب
۱۲	مشکوۃ المصابیح ترجمہ از مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب
۱۳	سیرۃ النبی ﷺ از شبلی نعمانی صاحب وسیّد سلیمان ندوی صاحب
۱۴	ترجمان السنۃ از محمد بدرِ عالم صاحب

بَلَغَ الْعُلٰے بِکَمَالِہٖ

کَشَفَ الدُّجٰے بِجَمَالِہٖ

حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ

صَلُّوْ عَلَیْہِ وَآلِہٖ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

''بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْکَلِمِ''

''مجھے جوامع الکلم عطا فرمائے گئے ہیں''

(نسائی، کتاب الجہاد، حدیث ۳۰۹۲)

یعنی میری بات مختصر ہوگی اور جامع ہوگی

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

”وَاِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا“

”میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں“

○.....○.....○

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا

لیا جائے گا تجھ سے کام دُنیا کی امامت کا

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

○.....○.....○

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

ما من امام یغلق بابه من ذوی الحاجة والخلة والمسکنة الا اغلق الله ابواب السماء دون خلته وحاجته ومسکنته

''جو حاکم ضرورت مندوں سے اپنا دروازہ بند کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اسکی ضرورت کے وقت آسمان کا دروازہ بند فرمالیتا ہے''

ترمذی بواسطہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،
(باب سلطنت اور دین کا تعلق)

○.....○.....○

ربط و ضبط ملت بیضا ہے مشرق کی نجات

ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بیخبر

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

○.....○.....○